

تخاب کلامِ حالی

58

ٹی۔ عبدالقادر ایم۔ اے

رل پبلشنگ ہاؤس بنگلور سٹی

انتخاب کلامِ حالی

معہ

حیات و مقدمہ

مطبوعہ

ایجوکیشنل پرنٹنگ پریس

بنگلور سٹی

انتخابِ کلامِ حالی

معہ

حیات و مقدمہ

مرتبہ

ڈی۔ عبدالقادر ایم اے
اردو و فارسی لکچرار
شعبۂ اردو و فارسی
جامعۂ میسور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

۱۔ حالیؔ کی زندگی کے مختصر حالات :-

کسی شاعر کی شاعری کی خصوصیات معلوم کرنے سے پہلے اس کی زندگی کے مختصر حالات سے آگاہ ہونا بالکل ضروری ہے۔ اس لئے کہ ایام زندگانی میں جن بزرگ ہستیوں کے ساتھ اس کو رہنا سہنا پڑتا ہے یا جن بزرگوں کا اس پر اثر پڑتا ہے، ممکن ہے وہی تعلقات اس کو بھی اعلیٰ حیثیت و اعلیٰ کردار کا مالک بننے میں امداد بہم پہنچائیں۔ چناں چہ حالیؔ ہی کو لیجئے اگر حالیؔ کے تعلقات اسد اللہ خاں غالبؔ، مصطفےٰ خاں شیفتہؔ کے ساتھ قائم نہ ہوتے تو کون کہہ سکتا ہے کہ ان میں شاعری کا ذوق و شوق پیدا ہوتا، اور پھر پنجاب کے قیام میں اگر انہیں محمد حسین آزاد اور کرنل ہارلائڈ کی صحبت میسر نہ آتی تو شاید حالیؔ کی جدید اردو شاعری بھی وجود میں نہ آتی بسبب

سے بڑھ کر دہلی کے قیام کے دوران میں اگر حالی پر سر سید احمد خاں جیسی بزرگ ہستی کا اثر نہ پڑتا تو حالی کے نام کو زندہ رکھنے والا ان کا ایک کارنامہ جو مسدس حالی کے نام سے مشہور ہے شاید ہی لوگوں تک پہنچتا۔ مختصر یہ کہ صحبت ہی کے اثر سے انسان کی پوشیدہ خوبیاں روشن ہوتی ہیں اور انسان شہرت کا مالک بن جاتا ہے۔

سب تذکرہ نویس اس بات پر متفق ہیں کہ حالی کی پیدائش ۱۸۳۷ء میں پانی پت میں ہوئی۔ ان کے والد کا نام خواجہ ملک علی بتلایا جاتا ہے۔ جب حالی کی ولادت ہوئی کسی کو شاید یہ خبر ہی نہیں تھی کہ یہ نوزائیدہ بچہ آئندہ چل کر اردو ادب کے آسمان پر ایک درخشاں ستارہ بن کر چمکے گا۔ قومی اور نیچرل شاعری اس سے وجود میں آئے گی۔ اردو شاعری گل و بلبل کی حکایتوں سے اور ہجر و وصال کے جھگڑوں سے نکل کر اخلاقی، ناصحانہ اور فلسفیانہ معلومات سے پُر ہو جائے گی۔ بچپن ہی میں حالی کی والدہ ہی کے دماغ میں خلل آجاتا ہے اور ابھی نو برس کے نہیں ہونے کہ اُن کے والد بھی فوت ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد بہن بھائی ہی حالی کے سر پرست رہے۔ تعلیم و تربیت کے باقاعدہ نہ ہونے کا شاید یہی سبب ہو۔ حالی نے پہلے پہلے عربی اور فارسی کی چند کتابیں پڑھیں۔ عمر ابھی سترہ برس کی نہیں تھی

کہ رشتہ داروں نے حالی کو ازدواجی زندگی بسر کرنے پر مجبور کیا اور اس کم سنی میں اُن کا بیاہ ہوگیا۔ بیاہ کے بعد حالی کو ملازمت اختیار کرنی ہی پڑی۔ یہ بات پڑھنے والوں کو تعجب میں ڈال دے گی کہ حالی نے اپنی ایک نظم "ننگِ خدمت" میں ملازمت کی مذمت کی ہے۔ اپنے ہم جنس کی خدمت کرنا ان کے نزدیک باعثِ ننگ ہے، وہ لکھتے ہیں کہ ملازمت حاصل کرنے میں پہلے جو بہت ہی دشواریاں پیش آتی ہیں۔ اگر اپنے تمام کمالات کو ظاہر کرنے کے بعد ایک اسامی مل گئی تو کئی آقاؤں، کے سامنے اپنا سر جھکانا پڑتا ہے۔ اس کے باوجود چین اور آسائش کی زندگی میسر نہیں آتی۔ ملازمت اختیار کرنے کے بجائے حالی نے لکھا ہے کہ محنت اور مزدوری اور پیشہ اختیار کرنا جس میں عزت، شان، اور شرافت ہے، بہت ہی اچھا ہے۔ حالی کو خود کئی جگہ ملازمت اختیار کرنی پڑی مگر انہوں نے اسی ملازمت کی مذمت بھی کی ہے۔ ملازمت میں پیش آنے والی دشواریوں کو پہچاننے کے بعد جب اس کی مذمت کی گئی تو ضرور اُن کے بیان میں صداقت ہے۔

تذکرہ نویس اور خود حالی لکھتے ہیں کہ چوں کہ تعلیم کا شوق، غالب تھا اور سسرال آسودہ حال تھی اس لئے وہ دہلی چلے آئے۔ اس زمانے میں حالاں کہ دہلی کالج میں خوب رونق تھی، مگر انگریزی سے

ناواقفیت رہنے کے سبب سے اس کالج سے حالی کو کسی قسم کا تعلق نہیں۔ چند ہی روز بعد حالی کو پانی پت آنا پڑا اور ضلع حصار میں ایک قلیل تنخواہ پر ملازم رہے۔ حالی کو ان کی ملازمت کے ابتدائی ایام میں بالکل قلیل تنخواہ ملتی رہی۔ مگر یہی شخص اپنی زندگانی کے آخر دنوں میں حکومت کی طرف سے شمس العلما کا خطاب بھی پاتا ہے۔

۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد حالی کو پنجاب بک ڈپو لاہور میں ایک اسامی مل جاتی ہے جہاں رہ کر انہوں نے انگریزی ترجموں کی درستی اور اصلاح کی خدمت بجا لائی۔ اسی زمانے میں ان کو محمد حسین آزاد مصنفِ "آبِ حیات" اور سر رشتہ تعلیمات کے محکمے کے ڈائرکٹر کرنل ہال رائڈ سے اپنے تعلقات بڑھانے کا موقع ملا اور اس صحبت کا اثر ان کی شاعری پر بھی گہرا پڑا اور اس اثر نے حالی کو جدید اردو شاعری کے بانیوں میں سے ایک بنا دیا۔ پنجاب بک ڈپو سے اینگلو عربی اسکول دہلی کی مدرسی پر تبادلے کے بعد وہ دہلی چلے آئے۔ اور یہیں قیام پذیر ہوئے۔ آپ کو حیدرآباد سے بھی پہلے پہلے ۷۵ روپیہ اور پھر ۱۰۰ روپیے ماہوار وظیفہ ملتا تھا۔ ۱۹۱۴ء میں دسمبر کی آخری رات کو یہ روشن چراغ گُل ہوا۔

۲- حالی کی شاعری کی ابتدا:-

فطرت نے حالی کو شاعری کا ملکہ عطا کیا تھا۔ اور وہ اُردو کے ایک زبردست شاعر بننے والے تھے۔ شاید اِسی سبب سے ہو کہ حالی اپنے بیاہ کے فوراً بعد دہلی کی طرف کھنچے چلے جاتے ہیں ان دنوں تحصیل علم کا بھی شوق تھا۔ اِسی سلسلے میں مرزا اسداللہ غالب کی خدمت میں اکثر حاضر رہتے تھے۔ اس بزرگ استاد کی فارسی اور اردو شاعری کو پڑھتے تھے۔ مشکل الفاظ کے معنے بھی غالب ہی سے پوچھ لیتے تھے۔ کہتے ہیں کہ اس کے اثر سے ان کو بھی شعر گوئی کا شوق ہوا اور اپنا ابتدائی کلام اسی جید شاعر کے سامنے، پیش کیا۔ حالی نے ایک جگہ لکھا ہے۔ "استاد غالب کی عادت تھی کہ وہ اپنے ملنے والوں کو اکثر فکر شعر سے منع کیا کرتے تھے مگر ان کے (حالی کے) اشعار دیکھ کر انھوں نے فرمایا، اگرچہ میں کسی کو شعر کہنے کی صلاح نہیں دیتا مگر میرا خیال ہے کہ تم شعر نہ کہو گے تو اپنی طبیعت پر ظلم کرو گے"۔ غالب کی اس تائید اور ہمت افزائی کا جو اثر نوجوان حالی پر ہوا اس کا اندازہ آسانی سے لگایا جا سکتا ہے۔ ایک اور ہستی جس کا اثر حالی پر غالب سے بھی زیادہ پڑا وہ نواب مصطفےٰ خان شیفتہ کی ہے۔ آٹھ سات برس تک مصطفےٰ خان

شیفتہ کے حالی مصاحب رہے ہیں۔ شیفتہ خود فارسی اور اُردو کے اچھے شاعر تھے اور انہیں کی صحبت سے حالی کا طبعی میلان چمک اٹھا اور یہیں سے ان کی شاعری کی ابتدا ہوتی ہے۔ جدید اُردو شاعری کی تاریخ پر خامہ فرسائی کرنے والے ایک مصنف نے لکھا ہے کہ حقیقت میں یہی آٹھ سال کا زمانہ تھا جس میں حالی کا ادبی مذاق اور کردار بنا۔

۳۔ جدید اردو شاعری کا آغاز اور حالی کے کارنامے

حالی کا شمار جدید اردو شاعری کے بانیوں میں کیا جاتا ہے نواب مصطفےٰ خان شیفتہ کی وفات کے بعد حالی کو پنجاب بکڈپو لاہور میں انگریزی ترجموں کی درستگی کے لئے ایک اسامی مل گئی تھی اسی مقام میں حالی کو محمد حسین آزاد مصنف "آب حیات" اور اس زمانہ کے سررشتۂ تعلیم کے ڈائرکٹر کرنل ہال رائڈ کی قربت حاصل تھی۔ حالی خود لکھتے ہیں کہ ۱۸۷۴ء میں محمد حسین آزاد کی تحریک اور کرنل ہال رائڈ کے ایما سے انجمن پنجاب کی نگرانی میں ایک مشاعرے کا آغاز کیا گیا۔ اس مشاعرے کی خصوصیت یہ تھی کہ بجائے طرحی مصرعے پر شعرا طبع آزمائی کرنے کے کسی خاص عنوان پر شعر لکھتے اور مجلس مشاعرے میں سناتے۔ اسی مقام سے پہلی مرتبہ نیچرل شاعری

کے نمونے نکلے ۔

یہاں اس بات کو واضح کر دینا بے جا نہ ہوگا کہ اس سے
پہلے اردو ادب میں شاعری کا جتنا ذخیرہ تھا اس میں سوائے گل و
بلبل کی حکایتوں کے اور ہجر و وصال کے جھگڑوں اور حسن و عشق
کی کہانیوں کے اور کچھ نہ تھا۔ اس کے علاوہ چونکہ اردو کے ابتدائی
شعرا کے سامنے فارسی شاعری نمونے کے طور پر تھی، اردو شاعری
میں بھی قدم قدم پر فارسی شاعری کی نقل نظر آتی تھی۔ ہندوستان
میں رہ کر یہاں کے شاعر طبع آزمائی کرتے تھے مگر ہندوستان کی
کوئی جھلک یا کوئی نشانی ان کے کلام میں نظر نہ آتی تھی۔ اردو
شاعری کا مطالعہ کرنے والا اپنے آپ کو ایران اور عرب کی سرزمین
میں پاتا۔ ایران کے پہاڑ، وہاں کی ندیاں، وہاں کے میدان، وہاں
کے اشجار مثلاً سرو، شمشاد وغیرہ، وہاں کے پرندے مثلاً بلبل و
قمری وغیرہ وہاں کے بے حساب پھول مثلاً لالہ، نرگس، نسترن
اردو شاعری میں نظر آ جاتے تھے۔ یہاں تک کہ عاشق و معشوق
مثلاً شیریں فرہاد، لیلیٰ و مجنوں، وامق و عذرا کے نام اردو ادب
میں جگہ پا چکے تھے۔ یہاں کے شاعروں کا تعلق چونکہ بادشاہوں
کے دربار سے ہوتا تھا۔ شاہوں کو خوش کرنے کے لئے بے جا خوشامد

کرنی پڑتی تھی، اور جھوٹی تعریف کے پل باندھنے پڑتے تھے اور یہ سب باتیں اردو شاعری میں بھر گئی تھیں۔ ان عیوب کو دور کر کے جدید شاعری کی طرف لوگوں کو ترغیب دینے کا سہرا حالی ہی کے سر ہے۔ جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے، انجمن پنجاب کے مشاعرے کے لئے شاعر قدرتی مناظر پر اپنے خیالات درج کرتے اور ہر مہینہ یہ مشاعرہ منعقد ہوتا جب کہ شعرا اپنے اس نئے کلام کو پڑھ سناتے۔ حالی نے بھی ان مشاعروں کی چار مجلسوں میں چار نظمیں پڑھ سنائیں، جو حسب ذیل ہیں۔ برکھا رت۔ نشاط امید۔ حب وطن۔ مناظرہ رحم و انصاف۔

یہی وہ زمانہ تھا جب کہ انگریزی یا یورپی اثرات ہندوستانی ادب پر اور بالخصوص اردو ادب پر پڑتے جاتے تھے۔ حالاں کہ حالی کو خود انگریزی ادب سے کچھ تعلق نہ تھا اور انگریزی ادب کا مطالعہ انھوں نے نہیں کیا، لیکن انگریزی ترجموں کی درستگی کرنے کرتے اس ادب کی خوبیاں اُن پر واضح ہو گئی تھیں۔ انھوں نے ہر طریقہ سے ان خوبیوں کو اردو ادب میں شامل کرنے کی کوشش کی، حالی جب لاہور سے دہلی آگئے تو اس زمانے میں سر سید احمد خان اور ان کے رفیق، مسلمانوں کو سدھارنے اور ان کو انگریزی تعلیم کی طرف

راغب کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے۔ ان کو یقین تھا کہ انگریزی تعلیم ہی سے مسلمانوں کا مستقبل شاندار ہو سکتا ہے اس لئے کہ انگریزی حکام کی زبان ہے اور انگریزی ہی علوم کا ذخیرہ ہے چند کوتاہ خیال اور متعصب اشخاص نے جن میں مولویوں اور مفتیوں کا بھی دخل تھا سرسید کی مخالفت کی اور ان کو برا بھلا بھی کہا اور اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ سرسیدؒ کو کافر بھی قرار دے دیا۔ حالیؔ پر سرسید کے فضائل واضح ہو چکے تھے۔ سرسید کو اپنا رہبر انہوں نے گردانا اور ان کے نکالے ہوئے پرچے "تہذیب الاخلاق" سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ اس پرچے کے سبب سے مسلمانوں کے خیالات میں بہت جلد تبدیلی آگئی۔ اور ادباء اور شعرا کا وہ طبقہ جس پر سرسید کا گہرا اثر پڑا تھا حالیؔ کا ہم خیال بن گیا اور جدید اردو شاعری کے ہونے بہت نظر آنے لگے۔

حالیؔ کی اس کوشش پر دیگر مقامات کے لوگوں نے ان کو بہت بُرا بھلا کہا۔ چاہا کہ اُن کا منہ بند کر دیا جائے۔ ان کی شاعری کا مذاق اڑایا گیا۔ ان کی نکتہ چینی کی گئی اور کہا گیا کہ چوں کہ حالی کا تعلق پانی پت سے ہے اور اردو چوں کہ دہلی میں وجود میں آئی، جس سے حالی کو کوئی تعلق نہ تھا، اسی سبب سے حالی کو اُردو سے

بھی کوئی واسطہ نہیں ہے۔ لوگوں کے اس اعتراض کو حالی نے "دہلی کی شاعری کا تنزل" کے عنوان سے ایک قطعہ لکھ کر واضح کر دیا ہے۔ لوگوں نے بہت شور مچایا مگر حالی کی خاموشی نے ان کو خاموش کر دیا۔ بطور تعلی حالی نے ایک جگہ لکھا ہے۔ شعر

کیا پوچھتے ہو کیونکر سب نکتہ چیں ہوئے چپ
سب کچھ کہا انہوں نے پر ہم نے دم نہ مارا

بابائے اردو مولوی عبدالحق صاحب اپنی کتاب "چند ہم عصر" میں لکھتے ہیں۔ "مخالفت سہنے کا ان (حالی) میں عجیب و غریب مادہ تھا۔ کیسا ہی اختلاف ہو وہ صبر کے ساتھ سہتے رہتے تھے۔ جواب دیتے تھے لیکن حجت نہیں کرتے تھے۔ ضبط اور اعتدال اُن کے بہت بڑے اوصاف تھے اور یہ دو خوبیاں ان کے کلام میں بھی کامل طور پر پائی جاتی ہیں"۔

پنجاب بک ڈپو لاہور سے حالی کا تبادلہ دہلی میں انگلو عربک اسکول کی مدرسی پر ہو جانے کے بعد بھی انہوں نے اپنی طبیعت اور وقت کے تقاضے کے سبب سے چند نظمیں لکھیں جن کو جدید اردو شاعری یا نیچرل شاعری کے بہترین نمونے سمجھنا چاہئے یہ نظمیں ان کی کتاب "مجموعہ نظم حالی" میں جمع ہیں۔

۴۔ مسدسِ حالی :-

حالی کا نام اردو ادب میں کئی حیثیتوں سے زندہ رہے گا۔ نہ صرف نظم یا شاعری میں بلکہ نثر میں بھی ان کی اعلیٰ درجے کی تصانیف ہیں۔ اردو ادب کا مشہور سوانح نویس جس نے سوانح نویسی کی ایک شاخ کو اردو میں رواج دیا اگر حالی کو کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ ان کی کتابیں "یادگارِ غالب" جس میں استاد غالب کی زندگی کے حالات درج ہیں۔ "حیاتِ جاوید" جس میں مسلمانوں کے رہنما سر سید احمد خان کی حیات لکھی ہوئی ہے اور "حیاتِ سعدی" جس میں ایران کے مشہور مصلحِ قوم شاعر سعدی کے حالاتِ زندگی لکھے ہوئے ہیں۔ حالی کو سوانح نویس کا اعلیٰ درجہ عطا کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کا نام "مقدمہ شعر و شاعری" کے مصنف کی حیثیت سے بھی دنیائے اردو میں قائم رہے گا۔ مگر سب سے بڑھ کر حالی کے نام کو شہرت دلانے والا ایک اور کارنامہ ہے، جس کا نام "مسدس" یا مد و جزر اسلام رکھا گیا ہے۔ اس کتاب کی سی شہرت اور کثیر تعداد میں اشاعت کسی اور کتاب کو حاصل نہیں ہوئی ہوگی۔ عام آدمیوں کا طبقہ تک اس کتاب سے یا اس کتاب کے اقتباس سے واقف ہوگا۔ کسی مولوی صاحب کو میلادالنبیؐ کے جشن میں تقریر

کرنے کے لئے بلالیں تو وہ مسدس کے چند اشعار دہرائے بغیر نہیں رہیں گے۔ اس کتاب میں جیسا کہ نام سے بتلایا گیا ہے کہ اسلام کے عروج اور زوال کا نقشہ پہلی مرتبہ دلپذیر انداز میں کھینچ کر مسلمانوں کے سامنے رکھ دیا گیا ہے۔

یہ مانی ہوئی بات ہے کہ مسدس کے وجود میں آنے کا سہرا سر سید ہی کے سر ہے۔ حالی خود اپنے مسدس کے دیباچے میں لکھتے ہیں۔ "زمانے کا نیا ٹھاٹھ دیکھ کر پرانی شاعری سے دل سیر ہو گیا تھا، اور جھوٹے ڈھکوسلے باندھنے سے شرم آنے لگتی تھی۔ یاروں کے ابھاروں سے دل نہ بڑھتا تھا۔ (ایسے موقع پر) قوم کے ایک سچے خیر خواہ (سر سید) نے آکر ملامت کی اور غیرت دلائی کہ حیوانِ ناطق ہونے کا دعویٰ کرنا اور خدا کی دی ہوئی زبان سے کچھ کام نہ لینا بڑے شرم کی بات ہے۔ قوم کی حالت تباہ ہے۔ عزیز ذلیل ہو گئے ہیں، شریف خاک میں مل گئے ہیں، علم کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ دین کا صرف نام باقی ہے۔ افلاس کی گھر گھر پکار ہے۔ پیٹ کی چاروں طرف دہائی ہے۔ اخلاق بالکل بگڑ گئے ہیں اور بگڑتے جاتے ہیں۔ تعصب کی گھنگھور گھٹا تمام قوم پر چھائی ہوئی ہے۔ رسم و رواج کی بیڑی ایک ایک کے پاؤں میں پڑی ہے۔ جہالت اور تقلید سب کی گردن پر سوار ہے۔

امرا جو قوم کو بہت کچھ فائدہ پہنچا سکتے ہیں غافل اور بے پروا ہیں. علما جن کو قوم کی اِصلاح میں بہت بڑا دخل ہے زمانے کی ضرورتوں، اور مصلحتوں سے ناواقف ہیں. ایسے میں جس سے جو کچھ بن آئے بہتر ہے"۔ حالی لکھتے ہیں کہ سرسید کی جادو بھری تقریر جی میں گھر کر گئی۔ دل سے نکلی تھی دل میں جا کر ٹھہری۔ برسوں کی الجھی ہوئی طبیعت میں ایک ولولہ پیدا ہوا۔ افسردہ دِل بوسیدہ دماغ سے کام لینا شروع کیا اور ایک "مسدس" کی بنیاد ڈالی"۔

مسدّس کیا ہے قوم کی گذشتہ اور موجودہ حالت کا ایک صحیح نقشہ۔ اس کے آغاز میں اِن سات بند تمہید کے لکھ کر اول عرب کی اس ابتر حالت کا نقشہ کھینچا ہے جو ظہورِ اسلام سے پہلے تھی جسے زمانۂ جاہلیت کہا جاتا ہے۔ پھر اسلام کے طلوع ہونے کا ذکر ہے اور نبی اُمّی کی تعلیم بتلائی ہے، جس کے سبب سے ریگستانِ عرب سرسبز و شاداب ہو جاتا ہے۔ ہر طرف اسلام کا ڈنکا بجایا جاتا ہے، اور مسلمان دینی و دنیوی ترقی حاصل کرتے ہوئے سارے عالم پر چھا جاتے ہیں۔ و شتہ جیسا کہ سعدی علیہ الرحمہ نے کہا ہے۔

منتہائے کمال نقصان است ؎ گل بریزد بوقت سیرابی

اِسلام اپنے عروج کے آخری درجہ تک پہنچ کر رو بہ تنزل

ہو جاتا ہے اور باشندگانِ اسلام زوال پذیر ہو جاتے ہیں اور قوم کے افراد بے دولت، بے علم و بے ہنر ہو جاتے ہیں۔ صحیح معنوں میں مسدّس کیا ہے۔ "ایک آئینہ خانہ ہے جس میں ہم دیکھ سکتے ہیں کہ ہم کون تھے اور کیا ہو گئے"۔

چوں کہ مسدس قوم کا راگ تھا اس لئے لکھنے کے بعد حالی کو قومی شاعر اور مصلحِ قوم کے نام سے پکارا جانے لگا۔ اور ان کی شاعری کو ایران کے مشہور شاعر سعدی کی شاعری کا رتبہ دے کر ان کو "سعدی ہند" کہنے لگے اور حالی اس کے مستحق بھی ہیں۔

۵۔ حالی کے قطعات :-

اُردو شاعری میں قطعہ گو کی حیثیت سے حالی کو وہی درجہ حاصل ہونا چاہئے جو کہ ابن یمین کو فارسی شاعری میں بحیثیت قطعہ گو نصیب ہوا ہے۔ مجموعۂ کلام حالی میں جس کا دوسرا نام "دیوان حالی" ہے سب سے پہلے ہماری نظر ان کے قطعات پر پڑتی ہے۔ حساب لگایا جائے تو یہ قطعات معدودے چند ہیں جملہ ۶۷ ہیں۔ لیکن ان قطعوں میں جو باتیں بیان کی گئی ہیں۔ ان کا مطالعہ کیا جائے تو انسانی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں رہ جاتا جس پر حالی نے قلم نہ اٹھایا ہو۔ ان قطعات کے مطالعے سے ہم چند خاص نتائج پر پہنچتے ہیں جنہیں اجمالاً

یہاں بیان کیا جاتا ہے۔

حالی کے پیشِ نظر خضرِ طریق سرسید کی ہستی تھی جس کو وہ اپنا رہبر اور رہنما مانتے تھے۔ حالی ہی کے عہد کے لوگوں میں سے چند افراد نے سرسید کی مخالفت کرنی شروع کی تھی۔ سرسید پر تبرّا کیا جاتا اور اُن پر کفر کا فتویٰ بھی صادر کر دیا گیا تھا۔ سرسید کی تصانیف چھپ کر نکلتیں تو ان کی تردید بھی ان کی مخالفت کرنے والوں کی طرف سے آ موجود ہوتی۔ لوگوں کے ان خیالات سے حالی جیسا حساس شاعر، بے خبر نہیں رہ سکتا تھا۔ جب لوگ سرسید کی مخالفت کرنے لگے تو انہوں نے لوگوں کو صحیح راستے پر لے آنے کی نیت سے ایک قطعہ لکھا۔ جس کا عنوان ہے "سرسید احمد خان کی مخالفت کی وجہ" اس قطعے کے لکھنے سے ان کا اصلی مقصد یہ تھا کہ لوگوں کو اس کام سے باز رکھیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ لوگ اس وجہ سے سرسید کی مخالفت کرتے ہیں کہ ان میں اتنی قابلیت نہیں کہ سرسید ایسے بن سکیں اور سرسید کو جو اعلیٰ رتبہ حاصل ہوا تھا وہاں تک ان کی رسائی نہیں ہوتی۔ یہ عادت ہوتی ہے چند آدمیوں کی کہ جب وہ کسی شخص کو ترقی کے زینے پر چڑھتا ہوا دیکھتے ہیں۔ تو ایک پل کے لئے بھی چین نہیں آتا۔ وہ تو خود اُس رتبہ پر پہنچ نہیں سکتے۔ دوسروں کو بھی دیکھنا انہیں پسند نہیں آتا۔ ایسی صورت میں

وہ ایک ہی کام کے اہل ہوتے ہیں اور وہ عمل ہوتا ہے اس ترقی کرتے ہوئے شخص کی مخالفت پر آمادہ ہونا۔ دراصل انسان میں فطرتاً ایسی کمزوری موجود ہے۔ سرسید احمد خان کی شان اور شوکت بھی لوگوں کی آنکھوں میں کھٹکتی تھی۔ اسی سبب سے لوگ ان کی مخالفت پر تیار ہو جاتے تھے۔ ایسے لوگوں کی اصلاح کا خیال حالیؔ کے دل میں آیا تو حالیؔ نے یہ قطعہ لکھا۔ اس قطعہ سے حالیؔ نہ صرف سرسید کی مخالفت کرنے والوں کو اس کام سے باز رکھنا چاہتے تھے بلکہ ان کا اصلی مقصد اپنے ہم جنسوں کی اصلاح ہے۔

اسی طرح ایک اور قطعہ میں حالیؔ نے لکھا ہے کہ ایک مولوی نے جس کو کہیں روزی نہیں ملتی تھی معاش کے لئے کئی تدبیریں کیں مگر کوئی تدبیر اس کی کارگر ثابت نہ ہوئی۔ آخر کار اس نے اخبار نکال کر بخت آزمائی کی۔ لیکن اس کام سے بھی اس کو فائدہ نہیں ہوا۔ وہ پھر رہا تھا مارا مارا۔ ایسی حالت میں ایک مبارک قدم رہبر نے اس کی رہنمائی کی اور کہا "تصانیف احمدی چھپ رہی ہیں اس کے لفظ لفظ کو کاٹ دے اور ان کی تردید خواہ بھلی ہو خواہ بری چھاپ دے۔ اس کام سے زر و سیم کی جھڑی چاروں جانب سے لگ جائے گی۔ آخر میں اس نے کہا کہ اس دنیا کے طلبگار کو چاہیئے کہ جب تک اس

دنیا پر ابلہی مسلط ہے۔ ابلہہ فریب رہے۔ اس قطعے کو لکھ کر حالی نے اس بات کو واضح کیا ہے کہ دنیا بے وقوفوں سے کبھی خالی نہیں رہتی اگر کوئی شخص دنیوی جاہ و جلال حاصل کرنا چاہتا ہے۔ تو بہترین ذریعہ اس کے لئے یہی ہے کہ ان احمقوں کو ورغلائے۔ وہ لکھتے ہیں۔ شعر

دنیا طلب کو چاہیئے ابلہہ فریب ہو

دنیا پہ جب تلک کہ مسلط ہے ابلہی

سر سید پر کفر کا فتویٰ بھی صادر کیا گیا تھا۔ حالی نے ایک قطعہ میں اسلام کی تعریف بیان کرتے کرتے ایک آخری تعریف یہ بھی لکھ دی ہے کہ آج کل سر سید کو کافر جاننا بھی اسلام میں داخل ہے۔ اور اگر کوئی سر سید کو مسلمان ثابت کرے تو اسلام کے دائرے سے اس کو خارج کر دیا جائے۔ حالی کا اعتراض خاص اس گروہ سے ہے، جو اپنے آپ کو "عند الفحول" سمجھتا ہے۔ حالی کے ارادے کے موافق سر سید کو کافر قرار دینا سخت نادانی ہے۔ اس کے برعکس وہ چاہتے تھے کہ لوگ سر سید کو اپنا رہنما تصور کریں۔ ان کی بتائی ہوئی باتوں پر عمل پیرا ہوں اور ان کے دکھلائے ہوئے راستے پر گامزن رہ کر اپنی ترقی کے آپ خود باعث بنیں۔

اپنی مشہور کتاب "مقدمہ شعر و شاعری" میں حالی نے ایک جگہ گولڈ سمتھ کی نیچرل شاعری کے متعلق کچھ لکھا ہے۔ گولڈ سمتھ اپنی نئی

روش کی نظم کو خطاب کر کے کہتا ہے " اے میری پیاری نظم تو اُن موقعوں سے پہلے بھاگنے والی نظم ہے۔ جہاں نفسانی خواہشات کی طغیانی ہوتی ہے تو اس بے قدری کے زمانے میں بجائے اس کے کہ دلوں کو اپنی طرف مائل کرے اور پاک شہرت حاصل کرے ہر جگہ ملامت کی جاتی ہے تیری بدولت عام جلسوں میں مجھ کو شرمندہ ہونا پڑتا ہے۔ لیکن جب میں تنہا ہوتا ہوں تو تجھ پر فخر کرتا ہوں۔ تو کمال کے طالبوں کی رہنما ہے۔ اور نیکی کی دایہ۔ پس خدا تیرا نگہبان ہے۔ جہاں کہیں تجھ پر نکتہ چینی ہو تو وقت کا مقابلہ کیجیو اور باد مخالف کے جھگڑوں پر غالب آئیو اور اپنے دردناک نالوں سے سچ کی مدد کیجیو جس کو لوگ حقیر جانتے ہیں۔ تو گمراہوں کو دولت کی حقارت کرنی سکھا اور ان کو اس بات کا یقین دلا کہ جو لوگ اپنے قدرتی ذریعوں پر بھروسہ کرتے ہیں اگرچہ وہ مفلس ہوں۔ لیکن خوش حال ہو سکتے ہیں۔ (مقدمہ شعر و شاعری۔ صفحہ ۴۴ - ۴۵)

گولڈ سمتھ کے اس خطاب کا اثر شاید حالی کے دماغ پر ہوا ہو ان کے ایک قطعے " شعر کی طرف خطاب " میں ہمیں ایسے جملے ملتے ہیں جو گولڈ سمتھ کی زبان سے نکلے ہیں۔ حالی نے قطعہ کی ابتدا اس طرح کی ہے :-

اے شعر دل فریب نہ ہو تو تو غم نہیں ۔ پر تجھ پہ حیف ہے جو نہ ہو دل گداز تو

آگے چل کر انہوں نے لکھا ہے " تمام عالم صنعت پر فریفتہ ہے مگر اے شعر تو اپنی سادگی سے باز نہ آئیو۔ اگر تجھ میں اور تیری ذات میں راستی کا گوہر ہے تو تو تحسین روزگار سے بے نیاز ہے۔ وہ دن گئے جب کہ جھوٹ ایمان شاعری تھا، مگر اب ادھر قبلہ بھی ہو تو اے شعر اس کی جانب رخ پھیر کر نماز بھی ادا نہ کیجیو۔

" مقدمہ شعر و شاعری " میں حالی نے لکھا ہے کہ چوتھی صدی ہجری میں ہماری شاعری (یہاں عربی شاعری سے مراد ہے) محض ایک ذریعہ سلاطین و امرا کے تقرب کا سمجھی جاتی تھی اور جھوٹ اور مبالغہ شعر کے ذاتیات میں داخل ہو گیا تھا۔ اس ضمن میں حالی نے ایک حکایت بھی درج کی ہے کہ ایک روز رات کے وقت صعب ابن عباد کی مجلس میں حسب معمول فضلاء اور شعرا جمع تھے۔ اثنائے سخن میں شعر کا ذکر چھڑ گیا، بعضے شعر کی تعریف کرتے تھے بعضے مذمت جو لوگ مذمت کرتے تھے انہوں نے کہا کہ شعر اکثر مدح یا ذم پر مشتمل ہوتا ہے اور دونوں چیزوں کی بنیاد جھوٹ پر ہے۔ اس کے بعد ابو محمد خازن نے جو بہت بڑا صاحب علم و فضل تھا شعر کی تائید میں یہ کہا کہ شعر میں سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ ہم باوجودیکہ ہر علم و ہنر سے بہرہ مند ہیں، ان میں سے کوئی چیز ہماری کامیابی کا ذریعہ نہیں ہو سکتی، صرف شعر ہی ایسی چیز ہے جس کے ذریعے

سے ہم کو سلاطین اور وزراء کے ہاں تقرب کا درجہ حاصل ہوتا ہے لیکن جب یہ تانبا (جھوٹ) شعر کے طلا سے مطلّا کیا جاتا ہے تو ہم رنگِ زرِ خالص ہو جاتا ہے اور شعر کا حُسن جھوٹ کی برائی پر غالب آجاتا ہے اِس بات کو سب نے پسند کیا اور بحث ختم کی (مقدمۂ شعر و شاعری صفحہ ۳۰-۳۱)

ایک زمانہ تھا جب کہ جھوٹ اور مبالغہ ہی شاعری کا جزوِ لازمی قرار دیا گیا تھا لیکن زمانے کی تبدیلی کے ساتھ حالی شعر کو بھی بدلنے کی ترغیب دیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ اگر اس زمانے میں جھوٹ کی طرف قبلہ بھی ہو تو اس جانب رخ کر کے نماز ادا نہ کریں جس طرح گولڈ سمتھ نے اپنی نئی روش کی نظم کو خطاب کرتے ہوئے کہا تھا۔ "اے شعر جب میں تنہا ہوتا ہوں تو تجھ پر فخر کرتا ہوں، اسی طرح حالی نے بھی مقطع میں لکھا ہے، ع

حالی کو تجھ پہ ناز ہے کر اس پہ ناز تو

دِلی کے چند شاعروں نے جو خود کو اہلِ زبان، اُردو کے دھنی اور سب کچھ سمجھتے تھے حالی کی جدید شاعری پر اعتراض کئے اور کہا کہ چونکہ حالی کا جنم بھوم پانی پت ہے۔ ان کو اُردو سے کوئی واسطہ نہیں۔ حالانکہ ان کی زبان مانند دودھ کی نہر کے ہے۔ لیکن دودھ خالص نہ ہو تو اس سے کوئی فائدہ نہیں۔ ان کی شاعری بظاہر بے ساختہ

معلوم ہوتی ہے مگر وہ ساختہ بے ساختہ ہے اس لئے اس کو شہرت نہیں دی جا سکتی۔ اس نکتہ چینی کے متعلق حالی نے ایک قطعہ "نکتہ چینی" کے عنوان سے لکھا ہے، جس میں بیان کیا ہے کہ کسی باپ نے اپنے فرزند ارجمند کو نصیحت کی کہ علم اور فضل کی تحصیل میں جان توڑ کوشش کرنی چاہئے۔ اس کام میں اپنا لہو اور پسینہ ایک کر کے نام پیدا کرنا چاہئے۔ نظم و نثر کے دریا بہا کر ہر چھوٹے اور بڑے سے داد سخن لینی چاہئے، اور اگر شعر و انشا کی لیاقت نہیں تو کم از کم شاعروں اور منشیوں پر نکتہ چینی کرنی چاہئے۔ انہیں نکتہ چینیوں کے جواب میں حالی نے شاید یہ شعر لکھا ہوگا۔ ؎

کیا پوچھتے ہو کیوں کر سب نکتہ چیں ہوئے چپ
سب کچھ کہا انہوں نے پر ہم نے دم نہ مارا

حالی کے نزدیک بخیل ہونا بمقابلہ مسرف ہونے کے بہتر ہے اس خیال کو انہوں نے اپنے دو تین قطعوں میں واضح کیا ہے، جن کے عنوان ہیں "اسراف"، "فضول خرچی کا انجام" اور "جس قوم میں افلاس ہو اس میں بخل اتنا بدنما نہیں جتنا اسراف" آخرالذکر قطعہ میں وہ لکھتے ہیں کہ قوم میں جب دولت اور ثروت افراط سے تھی اس وقت بخل سے بدتر کوئی خصلت نہ تھی، مگر اس وقت جب کہ نہ دولت ہے نہ ثروت

ہو نہ اقبال ساتھ دیتا ہو اور ہر گھر پہ افلاس و فلاکت چھائی ہوئی ہو۔ ایسی حالت میں قوم کے افراد کو سخاوت یا فضول خرچی کی ترغیب دینی ایسی ہے گویا چیونٹیوں کو پرواز کی ہدایت کی جائے۔

مذہب پر بھی حالی نے دو تین قطعے لکھے ہیں جن کے عنوانات ہیں "ایمان کی تعریف" "اختلافِ مذہب رفع ہو نہیں سکتا" اور "قرض لے کر حج کو جانے کی ضرورت"۔ آخرالذکر قطعہ میں حالی نے ان مذہبی رہنماؤں کی اصلاح کرنی چاہی ہے جو اپنی مذہبی کارروائیوں کے اثر سے سادہ لوح اشخاص کو لوٹنا چاہتے ہیں۔ اس مختصر قطعہ میں حالی نے ایک ایسے حاجی کی سرگذشت بیان کی ہے جو قرض لے کے حج کی نیت سے سوئے حجاز نکلا تھا جب اس سے کسی آزاد نے دریافت کیا کہ اس طرح قرض لے کر اپنی بیوی اور بچوں کو بحالتِ تباہ چھوڑ کر حج کو جانے کی کیا ضرورت ہے، تو اس آزاد پہ پہلے پہل اس حاجی کو غصہ آیا مگر آخر مجبور ہو کر اس نے کہا:-

خدا کے حکم ہیں مبنی تمام حکمت پر
فتوح جن میں ہے دنیا و دیں کی خاطر خلق
نماز و روزہ ہو یا ہو طواف و عمرہ و حج
حصول جیسے کے ہوتا ہے ان سے قرب الٰہی

اس طرح یہ وسیلے معاش کے ہیں تمام
نہ جن میں چاہئے محنت نہ کوششِ جانکاہ

حالی کے ان اشعار کو پڑھ کر ممکن ہے کسی حاجی کو طیش آجائے لیکن کئی واقعات ہیں ایسے بھی ملتے ہیں جن میں سے حالی کے بیان کی تصدیق بھی ہوتی ہے۔

خود پسندی حالی کو پسند نہیں اور خود ستائی انہیں ایک آنکھ نہیں بھاتی۔ اسی لئے انہوں نے خود پسندوں اور خود ستاؤں کو اپنی اصلاح کا موقع دینے کی غرض سے دو قطعے لکھے ہیں جن کے عنوان ہیں۔ "ایک خود پسند امیرزادہ کی تضحیک" اور "خود ستائی" آخرالذکر قطعے میں انہوں نے لکھا ہے کہ کوئی الشرا یہ ماہرین جو خود ستا نہ ہو۔ اور پھر خود ستا بن کر انسان دوسروں کی غیبت کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ حالی کا خیال ہے کہ اگر یہ خاک کا پتلا یعنی انسان خود ستا نہ ہوتا تو امید ہے کہ دنیا میں غیبت کا کوئی وجود نہ ہوتا۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں۔ شعر

غیبت امید ہے کہ ہوتی جہان میں
ہوتا اگر یہ خاک کا پتلا نہ خود ستا

مجموعہ کلام حالی یعنی دیوانِ حالی میں ان کی چند غزلیں بھی

ملتی ہیں. جو سادگی میں بے نظیر ہیں. مولانا عبدالحق نے ایک جگہ لکھا ہے: "مولانا (حالی) کی سیرت میں دو ممتاز خصوصیتیں تھیں. ایک سادگی اور دوسری دردِ دل اور یہی شان ان کے کلام میں ہے. اُن کی سیرت اور اُن کا کلام ایک ہے یا یوں سمجھئے کہ ایک دوسرے کا عکس ہے۔" حالی کی طبیعت غزل لکھنے پر کب آمادہ ہوتی تھی. اگر ایسا سوال کیا گیا تو اس کا جواب ہمیں ان کے قطعہ میں مل جاتا ہے جس کا عنوان ہے "مشاعرہ کی طرح پر غزل نہ لکھنے کا عذر"۔ طرحی مصرعے پر غزل نہ لکھنے کا عذر پیش کرتے حالی نے لکھا ہے ؎

اپنی روداد تھی جو عشق کا کرتے تھے بیان
جو غزل لکھتے تھے ہوتی تھی سراسر حالی

حالی کی مسلسل وار اور موثر غزلوں کو پڑھنے کے بعد ان کے اس شعر کی صداقت پورے طور پر ہماری آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے نمونے کے طور پر اوپر بیان کئے ہوئے قطعات کے علاوہ حالی کے چند اور قطعات ہیں جن کے مطالعے سے ہم اپنی بری رسموں دور کر سکتے ہیں، اپنی بے اعتدالیوں کو موقوف کر سکتے ہیں، اور اپنی قوم کی اصلاح کر سکتے ہیں. یہ باتیں ہمیں حالی کے ان قطعات میں ملتی ہیں، جن کے عنوان حسب ذیل ہیں :- بیٹیوں کی نسبت -

عقل اور نفس کی گفتگو ۔ بے اعتدالی ۔ برکت و اتفاق ۔ قوم کی پاسداری ۔ وغیرہ ۔ اکثر اوقات حالی اپنے قطعات کی ابتدا کسی فرضی یا تاریخی قصے سے کرتے ہیں جس کی مثالیں ہیں۔ "بدی کر کے نیک نامی کی توقع رکھنی"۔ "نوکروں پر سخت گیری کرنے کا انجام"۔ "لائق آدمی دوست دشمن دونوں سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔" "ناصح مخلص اہل غرض میں تمیز"۔ "خادم آقا کی خدمت میں کیوں گستاخ ہو جاتے ہیں"۔ وغیرہ ۔ قطعات میں ملتی ہیں۔ اس فرضی یا تاریخی قصے کو بیان کر دینے کے بعد کوئی ایسی نصیحت اس کے اختتام پر بیان کرنے کی انہیں عادت ہے، جس کے مطالعے سے اور جس پر عمل پیرا ہونے سے ہم اپنی حالت کو بد سے بہتر بنا سکتے ہیں، اور جب ہم سے اعلیٰ رتبہ رکھنے والے ادیبوں، فاضلوں، شاعروں اور دانشمندوں کے دن ختم ہو جائیں گے تو باوجود ہی حقیر اور ناچیز ہونے کے ان کی جگہ ہمیں دی جائے گی ۔ یہ آخری خیال حالی کے پہلے قطعہ میں ملتا ہے جس کا آخری شعر ہے ؎

ہم ہیں یہی ناچیز مگر
کبر نا موت الکبرا

۶۔ حالی کی شہرت اور اردو ادب پر انکی شاعری کا اثر

بالکل کم ایسے خوش نصیب اشخاص ہوتے ہیں جو اپنی زندگی کے ایام میں اپنی شہرت کو اپنی آنکھ سے دیکھ لیں۔ اس گروہ کے افراد میں سے ایک الطاف حسین حالی پانی پتی بھی ہیں۔ کیوں کہ یہ شخص جس کی تعلیم باقاعدہ نہیں ہوئی تھی، جو بالکل قلیل تنخواہ پر روزی کمانے نکلا، آخر عمر تک اس کے خداداد دماغ نے اور اس کے خداداد ملکۂ شعر و شاعری نے اس کے قلم میں اتنی تاثیر دی کہ وہ کئی کتابوں کا جو نہ صرف نثر پر مشتمل تھیں بلکہ نظم سے بھی مملو تھیں، مالک بن گیا۔ اور حکومت نے اس کو اس کی گراں قدر خدمات کے صلے میں شمس العلما کا خطاب بخشا۔ صحیح معنوں میں قومی شاعری اور نیچرل شاعری کا موجد اُسی کو قرار دیا گیا۔ حالی کے نثری کارنامے یوں تو قدر کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں، اور آسانی کے ساتھ حالی کو مقدمہ نگاروں اور سوانح نگاروں کی صف میں جگہ مل جاتی ہے۔ مگر نثری کارناموں سے بھی بڑھ کر حالی کو شہرت یاب کرنے میں ان کے کلام کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ حالی کی کتاب مسدس کا گھر گھر مطالعہ کیا جاتا ہے، اور ہندوستان بھر کے مدرسوں اور کالجوں میں حالی کے انتخابات۔ احالی کی کتابیں نصاب میں داخل

ہیں۔ جب کہ چیدہ چیدہ مضمونوں میں کہیں اشارہ کیا گیا ہے کہ کسی مولوی کو مولود النبی کے جشن کے سلسلے میں بلائیں یا اتفاق کی برکتوں پر ان سے مضمون طلب کریں یا علم کی قوت اور فضیلت پر ان کے خیالات سننا پسند کریں تو وہ ضرور حالی کی کتاب "مسدس" کو آپ کے سامنے پیش کریں گے۔ ان کی جدید نظمیں، شعرا کے دلوں میں قدرتی مناظر کو بیان کرنے کی قوت بہم پہنچاتی ہے۔ غرض بحیثیت شاعر حالی کی بہت شہرت ان کے زمانے ہی میں ہوئی اور جب تک اردو رہے گی ان کا نام زندہ رہے گا۔

اب رہا حالی کی شاعری کا ادب اردو پر اثر۔ یہ موضوع غور طلب ہے اور تحقیق طلب۔ یہاں اجمالاً دو چار باتیں لکھ دی جاتی ہیں۔ سر سید احمد خان کی کوششوں سے مسلمانوں میں انگریزی تعلیم کا رواج شروع ہو گیا تھا اور انگریزوں کی حکومت کے سبب سے ہندوستانی ان کی تقلید میں اپنی عزت اور کامیابی سمجھتے تھے۔ لہذا حاکموں کا ادب بھی ہندوستانی ادب پر اثر ڈالے بغیر نہ رہ سکا۔ حالی کے کلام میں یا یوں کہ جدید اردو شاعری کے نمونے ملتے ہیں کئی دوسرے شاعروں نے بھی جن کو انگریزی ادب کی ہوا لگ گئی تھی، حالی کے راستے پہ چلنا شروع کیا اور گل و بلبل کی حکایتوں اور ہجر و وصال کے

جھگڑوں کو چھوڑ کر اور فارسی شاعری کی کورانہ تقلید کو ترک کر کے بہت جلد نیچرل شاعری
کی طرف دوڑے آئے اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ آج حالی کو وفات پائے تیس سال سے بڑھ
کر عرصہ گذرا ہے ملک کے گوشے گوشے میں ایسے شاعر موجود ہیں جو اپنے کلام میں قدرتی مناظر
دکھلاتے ہیں اور نیچرل شاعری کے نمونے پیش کرتے ہیں۔ شعرا کا نام لینا کوئی ضروری نہیں
اس زمانے کے اکثر شاعر اتنا آگے بڑھ گئے ہیں کہ انکو ردیف اور قافیہ کی قید میں رہنا پسند نہیں آیا۔

حالی کے معاصرین میں سے نذیر احمد دہلوی نے قصوں کے پیرائے میں اپنی قوم
کی برائیوں کو دور کرنے کی کوشش کی اور کہا جاتا ہے کہ آخری عمر میں انہوں نے شعر کی طرف
بھی توجہ کی۔ یہ حالی کی شاعری کی کامیابی کا اثر تھا۔ حالی ہی کے اثر نے مشہور ناول نگار
شرر کو بھی شعر گوئی کی طرف متوجہ کیا۔ انہوں نے حالی کے مسدس کی تقلید کرتے ہوئے
ایک مسدس "زمانہ اور اسلام" کے نام سے لکھا مگر مسدس حالی کے سامنے ٹھہر نہ سکا۔
اسمٰعیل میرٹھی ایک اور شاعر ہیں جن کی شاعری میں ہمیں حالی کی شاعری کا اثر دکھائی
دیتا ہے۔ اردو کے مشہور اور مقبول شاعر اقبال کی شاعری کا وہ حصہ جو قومی شاعری
کہلانے کا مستحق ہے حالی ہی کی قومی شاعری سے متاثر ہونے کی دلیل ہے۔ اقبال
کی کتاب "بانگ درا" میں قومی شاعری کے بہت نمونے ملتے ہیں جن کو یہاں بیان
کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ موجودہ زمانے کے بے شمار شعرا بھی حالی کی
ڈالی ہوئی راہ یعنی قومی شاعری اور نیچرل شاعری پر گامزن ہیں۔

انتخابِ حالیؔ

(۱) انتخاب از مسدسِ حالیؔ

(۱) خطاب بسوئے قوم

زمانہ میں ہیں ایسی قومیں بہت سی
نہیں جن میں تخصیص فرماندہی کی
پر آفت کہیں ایسی آئی نہ ہوگی
کہ گھر گھر پہ یاں چھا گئی آ کے پستی
چکور اور شہباز سب اوج پر ہیں
مگر ایک ہم ہیں کہ بے بال و پر ہیں

وہ ملت کہ گردوں پہ جس کے قدم تھا
ہر اک گھونٹ میں جس کا برپا علم تھا

وہ فرقہ جو آفاق میں محترم تھا
وہ اُمّت لقب جس کا خیر الامم تھا
نشاں اُس کا باقی ہے صرف اس قدر یاں
کہ گنتے ہیں اپنے کو ہم بھی مسلماں

وگرنہ ہماری رگوں میں لہو ہیں
ہمارے ارادوں میں اور جستجو ہیں
دلوں میں زبانوں میں اور گفتگو ہیں
طبیعت میں فطرت میں عادت میں خو میں

نہیں کوئی ذرہ نجابت کا باقی
اگر ہو کسی میں تو ہے اتفاقی

ہماری ہر اک بات میں سفلہ پن ہے
کمینوں سے بدتر ہمارا چلن ہے
لگا نامِ آبا کو ہم سے گہن ہے
ہمارا قدم ننگِ اہلِ وطن ہے

بزرگوں کی توقیر کھوئی ہے ہم نے
عرب کی شرافت ڈبوئی ہے ہم نے

نہ قوموں میں عزت نہ جلسوں میں وقعت

نہ اپنوں سے الفت نہ غیروں سے ملت
مزاجوں میں سستی دماغوں میں نخوت
خیالوں میں پستی کمالوں سے نفرت
عداوت نہاں، دوستی آشکارا
غرض کی تواضع، غرض کی مدارا

نہ اہلِ حکومت کے ہمراز ہیں ہم
نہ درباریوں میں سرافراز ہیں ہم
نہ علموں میں شایانِ اعزاز ہیں ہم
نہ صنعت میں حرفت میں ممتاز ہیں ہم
نہ رکھتے ہیں کچھ منزلت نوکری میں
نہ حصّہ ہمارا ہے سوداگری میں

تنزل نے کی ہے بری گت ہماری
بہت دور پہنچی ہے نکبت ہماری
گئی گزری دنیا سے عزت ہماری
نہیں کچھ ابھرنے کی صورت ہماری
پڑے ہیں اک امید کے ہم سہارے
توقع پہ جنت کی جیتے ہیں سارے

سیاحت کی گو ہیں نہ مردِ سفر ہیں
خدا کی خدائی سے ہم بے خبر ہیں
نہ دیواریں گھر کی جو پیشِ نظر ہیں
یہی اپنے نزدیک حدِ بشر ہیں

ہیں تالاب میں مچھلیاں کچھ فراہم
وہی اُن کی دنیا وہی اُن کا عالم

بہشت اور ارم سلسبیل اور کوثر
پہاڑ اور جنگل جزیرے سمندر
اسی طرح کے اور بھی نام اکثر
کتابوں میں پڑھتے رہے ہیں برابر

پہ جب تک نہ دیکھیں کہیں کس یقیں پر
کہ یہ آسماں پر ہیں یا ہیں زمیں پر

وہ بے مول پونجی کہ ہے اصل دولت
وہ شائستہ لوگوں کا گنجِ سعادت
وہ آسودہ قوموں کا راس البضاعت
وہ دولت کہ ہے وقت جس سے عبارت

نہیں اس کی وقعت نظر میں ہماری

یونہیں مفت جاتی ہے برباد ساری

اگر ہم سے مانگے کوئی ایک پیسا
تو ہوگا کم و بیش بار اس کا دینا
مگر ہاں وہ سرمایۂ دین و دنیا
کہ ایک ایک لمحہ ہے انمول جس کا
نہیں کرتے خسّت اڑانے میں اس کے
بہت ہم سخی ہیں لٹانے میں اس کے

اگر سانس دن رات کے سب گنیں ہم
تو نکلیں گے انفاس ایسے بہت کم
کہ ہو جن میں کل کے لئے کچھ فراہم
یونہیں گزرے جاتے ہیں دن رات پیہم
نہیں کوئی گویا خبردار ہم میں
کہ یہ سانس آخر ہیں اب کوئی دم میں

گڈریے کا وہ حکم بردار کتّا
کہ بھیڑوں کی ہر دم ہے رکھوالی کرتا
جو ریوڑ میں ہوتا ہے چینے کا کھڑکا
تو وہ شیر کی طرح پھرتا ہے بپھرا

گر انصاف کیجے تو ہے ہم سے بہتر
کہ غافل نہیں فرض سے اپنے دم بھر

۲۔ قوت و فضیلتِ علم

حکومت سے مایوس تم ہو چکے ہو
زر و مال سے ہاتھ تم دھو چکے ہو
دلیری کو ڈھک ڈھک کے منہ رو چکے ہو
بزرگی بزرگوں کی سب کھو چکے ہو

مدار اب فقط علم پر ہے شرف کا
کہ باقی ہے ترکہ یہی اک سلف کا

ہمیشہ سے جو کہتے آئے ہیں سب یاں
کہ ہے علم سرمایۂ فخرِ انساں
عرب اور عجم ہند اور مصر و یونان
رہا اتفاق اس پہ قوموں کا یکساں

یہ دعویٰ تھا اک جس پہ حجت نہ تھی کچھ
کھلی اس پہ اب تک شہادت نہ تھی کچھ

جواہر تھا اک سب کی نظروں میں بھاری
پرکھنے کی جس کے نہ آئی تھی باری
فضائل تھے سب علم کے اعتباری
نہ تھی طاقتیں اس کی معلوم ساری

یہ اب بحر و بر دے رہے ہیں گواہی
کہ ہے علم میں زورِ دستِ الٰہی

کیا کوہساروں کو مسمار اس نے
بنایا سمندر کو بازار اس نے
زمینوں کو منوایا دوّارِ اس نے
ثوابت کو ٹھہرایا سیّار اس نے

لیا بھاپ سے کام لشکر کشی کا
دیا پتلیوں کو سکت آدمی کا

یہ پتھر کا ایندھن ہے جلوانے والا
جہازوں کو خشکی میں چلوانے والا
صداؤں کو سانچے میں ڈھلوانے والا

زمیں کے خزانے اگلوانے والا

یہی برق کو نامہ بر ہے بناتا
یہی آدمی کو ہے بے پر اُڑاتا

تمدن کے ایوان کا معمار ہے یہ
ترقی کے لشکر کا سالار ہے یہ
کہیں دستکاروں کا اوزار ہے یہ
کہیں جنگ جویوں کا ہتھیار ہے یہ

دکھایا ہے نیچا دلیروں کو اس نے
بنایا ہے روباہ شیروں کو اس نے

اسی کی ہے اب چار سو حکمرانی
کئے اس نے زیبا دمشقی اور یمانی
ہوئے ماند دیوان ہندوانی
گئے نازکی بھول سب پہلوانی

ہوا اس کی طاقت سے تسخیر عالم
پڑے سامنے اس کے چرکس نہ دیلم

پہاڑوں پہ ہے سیکڑوں کو چڑھاتا
سواروں کو پیادوں سے ہے زک دلاتا

جہازوں سے ہے زورقوں کو بھڑاتا
حصاروں کو ہے چٹکیوں میں اڑاتا
ہُوا کوئی حربوں سے اس کے نہ سر بند
نہ ٹھہرے زرہ اس کے آگے نہ بکتر

جنہوں نے بنایا اسے اپنا یاور
ہر ایک راہ میں اس کو ٹھہرایا رہبر
یہ قول آج کل صادق آتا ہے اُن پر
کہ اک نوع ہے نوعِ انساں سے برتر
الگ سب سے کام اُن کے اور طور ہیں کچھ
اگر سب ہیں انسان تو وہ اور ہیں کچھ

بہت ان کو معجز نما جانتے ہیں
بہت دیوتا ان کو گردانتے ہیں
یہ جو ٹھیک ٹھیک ان کو پہچانتے ہیں
وہ اتنا مقرر انہیں مانتے ہیں
کہ دنیا نے جو کچھ بھی اب تک کمائی
وہ سب جزو و کل ان کے حصے میں آئی

کیا علم نے اُن کو ہر فن میں یکتا

نہ ہمسر رہا اُن کا کوئی نہ ہمتا
ہر اک چیز اُن کی ہر اک کام اُن کا
سمجھ بوجھ سے ہے زمانہ کی بدلا

صنائع کو سب ان کے تکتے ہیں ایسے
عجائب میں قدرت کے حیراں ہوں جیسے

وئے علم نے کھول اُن پر خزانے
چھپے اور ظاہر نئے اور پُرانے
دکھائے انہیں غیب کے مال خانے
بتائے فتوحات کے سب ٹھکانے

ہوا جیسے چھائی ہے سب بحر و بر پر
وہ یوں چھا گئے خاور اور باختر پر

یہ سچ ہے کہ ہے اصل تعلیم دولت
رہی ہے سدا پشت حکمت حکومت
ہوئی سلطنت جن کی دنیا سے رخصت
نہ علم ان میں باقی رہا اور نہ حکمت

نہ یونان محکوم ہو کر رہا کچھ
نہ ایران تاج اپنا کھو کر رہا کچھ

بس اب وقت کا حکم ناطق یہی ہے
کہ جو کچھ ہے دنیا میں تعلیم ہی ہے
یہی آج کل اصل فرماندہی ہے
اسی میں چھپا سرِّ شاہنشہی ہے
ملی ہے یہ طاقت اسی کیمیا کو
کہ کرتی ہے یہ ایک شاہ و گدا کو

سکھاتی ہے محکوم کو یہ اطاعت
سجھاتی ہے حاکم کو راہِ عدالت
دلوں سے مٹاتی ہے نقشِ عداوت
جہاں سے اُٹھاتی ہے رسمِ بغاوت
یہی ہے رعیت کو حق دار کرتی
یہی ہے کُہ و مِہ کو ہموار کرتی

سُنی ہے غریبوں کی فریاد اسی نے
کیا ہے غلامی کو برباد اُسی نے
ریپبلک کی ڈالی ہے بنیاد اُسی نے
بنایا ہے پبلک کو آزاد اُسی نے
مفید بھی کرتی ہے یہ اور رہا بھی۔

بناتی ہے آزاد بھی باوفا بھی

تجارت نے رونق ہے پر اس سے پائی
کہ ہیچ اس کے آگے ہے فرماں روائی
فلاحت کی منزلت ہے بڑھائی
کہ فلاح کرتے ہیں معجز نمائی
ترقی کی یہ صنعت کو دی ہے بلا کی
کہ ہوتی ہے معلوم قدرت خدا کی

یہ نااتفاقی ہے قوموں سے کھوتی
یہ قومی محبت کا ہے بیج بوتی
یہ آپس کے کینے دلوں سے ہے دھوتی
یہ دانے ہے سب ایک لڑی میں پروتی
یہ نقطوں پہ خط کی طرح ہے گزرتی
کروڑوں دلوں کو ہے یہ ایک کرتی

۲- انتخاب از مجموعۂ نظمِ حالی

(۱) نشاطِ امید

اے مری امید مری جاں نواز
اے مری دل سوز مری کارساز

میری سپر اور مرے دل کی پناہ
درد و مصیبت میں مری تکیہ گاہ

عیش میں اور رنج میں میری شفیق
کوہ میں اور دشت میں میری رفیق

کاٹنے والی غمِ ایّام کی
تھامنے والی دلِ ناکام کی

دل پہ پڑا آن کے جب کوئی دکھ
تیرے دلاسے سے ملا ہم کو سکھ

تو نے نہ چھوڑا کبھی غربت میں ساتھ
تو نے اٹھایا نہ کبھی سر سے ہاتھ

جس کو ہوا گر کبھی عسرت کا رنج
کھول دئے تو نے قناعت کے گنج

تجھ سے ہے محتاج کا دل بے ہراس
تجھ سے ہے بیمار کو جینے کی آس

خاطرِ رنجور کا درمان ہے تو
عاشقِ مہجور کا ایمان ہے تو

نوح کی کشتی کا سہارا تھی تو
چاہ میں یوسف کی دل آرا تھی تو

رام کے ہمراہ چڑھی رن میں تو،
پانڈوں کے ساتھ پھری بن میں تو،

تو نے سدا قیس کا بہلایا دل
تھام لیا جب کبھی گھبرایا دل

ہو گیا فرہاد کا قصہ تمام
پر ترے فقروں پہ رہا خوش مدام

تو نے ہی رانجھے کی یہ بندھوائی آس
ہیر تھی فرقت میں بھی گویا پاس

ہوتی ہے تو پشت پہ ہمت کی جب

مشکلیں آسان نظر آتی ہیں سب
ہاتھ میں جب آ کے لیا تو نے ہاتھ
سات سمندر سے گذرنا ہے بات

ساتھ مِلا جس کو ترا دو قدم
کہتا ہے وہ یہ ہے عرب اور عجم
گھوڑے کی لی اپنے جہاں تو نے باگ
سامنے تیرے گیا اور پراگ

عزم کو جب دیتی ہے تو سیلِ جست
گنبدِ گردوں نظر آتا ہے پست
تو نے دیا آ کے اُبھارا جہاں
سمجھے کہ مٹھی میں ہے سارا جہاں
ذرّے کو خورشید میں دے تو کھپا
بندے کو اللہ سے دے تو ملا

دونوں جہاں کی ہے بندھی تجھ سے لڑ
دین کی تو اصل ہے دنیا کی جڑ
نیکیوں کی تجھ سے ہے قائم اساس

تو نہ ہو تو جائیں نہ نیکی کے پاس
دین کی تجھ بن کہیں پرستش نہ ہو
تو نہ ہو تو حق کی پرستش نہ ہو

خشک تھا بن تیرے درختِ عمل
تو نے لگائے ہیں یہ سب پھول پھل
دل کو لبھاتی ہے کبھی بن کے حور
گاہ دکھاتی ہے شرابِ طہور

نام ہے سدرہ کبھی طوبیٰ ترا
روز نرالا ہے تماشا ترا
کوثر و تسنیم ہے یا سلسبیل
جلوے ہیں سب تیرے یہ بے قال و قیل

روپ ہیں ہر پنتھ میں تیرے الگ
ہے کہیں فردوس کہیں ہے سُرگ
چھوٹ گئے سارے قریب اور بعید
ایک نہ چھوٹی تو نہ چھوٹی اُمید

تیرے ہی دم سے کٹے جو دن تھے سخت
تیرے صدقہ سے ملا تاج و تخت

خاکیوں کی تجھ سے ہے ہمت بلند
تو نہ ہو تو کام ہوں دنیا کے بند
تجھ سے ہی آباد ہے کون و مکاں
تو نہ ہو تو ہو ابھی برہم جہاں

کوئی پڑا پھرتا ہے بہرِ معاش
ہے کوئی اکسیر کو کرتا تلاش
ایک تمنا میں ہے اولاد کی،
ایک کو دلدار کی ہے لو لگی

ایک کو ہے دھن کہ جو کچھ ہاتھ آئے
دھوم سے اولاد کی شادی رچائے
ایک کو کچھ آج اگر مل گیا
کل کی ہے یہ فکر کہ کھائیں گے کیا

قوم کی بہبود کا بھوکا ہے ایک
جس میں ہوں ان کے لئے انجام نیک
ایک کو ہے تشنگیِ قربِ حق،
جس نے کیا دل سے جگر تک ہے شق

جو ہے غرض اس کو نہیں جستجو

۵۰

لاکھ اگر دل ہیں تو لاکھ آرزو

تجھ سے ہیں دل سب کے مگر باغ باغ
گل کوئی ہونے نہیں پاتا چراغ

سب یہ سمجھتے ہیں کہ پائی مراد،
کہتی ہے جب تو کہ اب آئی مراد

وعدہ ترا راست ہو یا ہو دروغ
تو نے دئے ہیں اسے کیا کیا فروغ

وعدے وفا کرتی ہے گو چند تو
رکھتی ہے ہر ایک کو خورسند تو

بھاتی ہے سب کو تری لیت و لعل
تو نے کہاں سیکھی ہے یہ آج کل

تلخ کو چاہے تو تو شیریں کرے
بزم عزا کو طرب آگیں کرے

آنے نہ دے رنج کو مفلس کے پاس
رکھے غنی اس کو رہے جس کے پاس

یاس کا پانی ہے جو تو کچھ لگاؤ
سیکڑوں کرتی ہے اتار اور چڑھاؤ

آنے نہیں دیتی دلوں پر ہراس
دیتی نہیں ٹوٹنے طالب کی آس

جن کو میسر نہیں کملی پھٹی،
خوش ہیں توقع پہ وہ زربفت کی

چٹنی سے روٹی کا ہے جن کے بناؤ
بیٹھے پکاتے ہیں خیالی پلاؤ

پاؤں میں جوتی نہیں پھر ہے یہ ذوق
گھوڑا جو سبزہ ہو تو نیلا ہو طوق

فیض کے کھولے ہیں جہاں تو نے باب
دیکھتے ہیں جھونپڑے محلوں کے خواب

تیرے کرشمے ہیں غضب دل فریب
دل میں نہیں چھوڑتے صبر و شکیب

تجھ سے بہتوں نے جو شوری لیا
پھونک دیا کان میں کیا جانے کیا

دل سے بھلایا زن و فرزند کو
لگ گیا گھن نخل برومند کو

کھانے سے پینے سے ہوا سرد جی

ایسی کچھ اکسیر کی ہے لو لگی

دین کی ہے فکر نہ دنیا سے کام
دھن ہے یہی رات دن اور صبح وشام

دھونکنی ہے بیٹھ کے جب دھونکتا
شہ کو سمجھتا ہے اک ادنیٰ گدا

پیسے کو جب تاؤ پہ دیتا ہے تاؤ
پوچھتا یاروں سے ہے سونے کا بھاؤ

کہتا ہے جب ہنستے ہیں سب دیکھ کر
رہ گئی اک آنچ کی باقی کسر

ہے اسی دھندے میں وہ آسودہ حال
تو نے دیا عقل پہ پردہ سا ڈال

تول کے گر دیکھیے اس کی خوشی
کوئی خوشی اس کو نہ پہنچے کبھی

پھرتے ہیں محتاج کئی تیرہ بخت
جن کے بڑوں میں تھا کبھی تاج وتخت

آج جو برتن ہیں تو کل گھر گرو
ملتی ہے مشکل سے انہیں نانِ جو

تیرے سوا خاک نہیں ان کے پاس
ساری خدائی میں سے لے دے کے آس

پھولے سماتے نہیں اس آس پر
"صاحب علم" انہیں کہئے اگر

کھاتے ہیں اس آس پہ قسمیں عجیب
"جھوٹے کو ہو تخت نہ یارب نصیب"

ہوتا ہے نومیدیوں کا جب ہجوم
آتی ہے حسرت کی گھٹا جھوم جھوم

لگتی ہے ہمت کی کمر ٹوٹنے،
حوصلہ کا لگتا ہے جی چھوٹنے،

ہوتی ہے بے صبری و طاقت میں جنگ
عرصۂ عالم نظر آتا ہے تنگ

جی میں آتا ہے کہ سم کھائیے
پھاڑ کے یا کپڑے نکل جائیے

بیٹھنے لگتا ہے دل آوے کی طرح
یاس ڈراتی ہے چھلاوے کی طرح

ہوتا ہے شکوہ کبھی تقدیر کا

اڑتا ہے خاکہ کبھی تدبیر کا
ٹھنتی ہے گردوں سے لڑائی کبھی
ہوتی ہے قسمت کی ہنسائی کبھی

جاتا ہے قابو سے دِل آخر نکل
کرتی ہے ان مشکلوں کو تو ہی حل

کان میں پہنچی تری آہٹ جو ہیں،
رختِ سفر یاس نے باندھا وہیں،

ساتھ گئی یاس کے پژمردگی
ہو گئی کافور سب افسردگی

تجھ میں چھپا راحتِ جاں کا ہے بھید
چھوڑیو حالی کا نہ ساتھ اے اُمید

۲- تعصب و انصاف

یاد ہے ہم کو وہ عالم اپنا
جب کہ ہم آپ تھے اپنے پہ فدا

اپنی جو بات تھی خوش آتی تھی
اپنی ایک ایک ادا بھاتی تھی

اپنی ہر آن پہ ہم مرتے تھے
اپنی رعنائی کا دم بھرتے تھے

اپنے انداز کے سودائی تھے
اپنے جلوے کے تماشائی تھے

کان کو اپنی ہی بھاتی تھی الاپ
سر دھنا کرتے تھے ہم آپ ہی آپ

آپ خوبی پہ تھے اپنے مفتوں
خود ہی لیلیٰ تھے ہم اور خود مجنوں

جس جزیرہ میں ہوئے تھے پیدا
اپنی لے دے کے وہی تھی دنیا

روم کی تھی نہ خبر شام کی تھی
آگہی طوس نہ بسطام کی تھی

تھے تماشائیِ دشتِ پُر خار
کبھی گلشن کی نہ دیکھی تھی بہار

پی کے شور آب ہی ہوتے تھے بحال
کہ نہ چکھا تھا کبھی آبِ زلال

نالۂ زاغ و زغن پر تھے فدا
نہ سنی تھی کبھی بلبل کی صدا

ہیرو انگوزہ کی بو پر تھے نثار
کہ نہ برتا تھا کبھی مشکِ تتار

پرنیاں جانتے تھے کمبل کو
کہ نہ برتا تھا کبھی مخمل کو

اوپری تھی نہ سنی بات کبھی
بدلے دیکھے نہ دن رات کبھی

ہم بسر کرتے تھے جس عالم میں
واں سماں ایک تھا ہر موسم میں

رُخ ہوا کا نہ بدلتا تھا کبھی
موسم آکر نہ نکلتا تھا کبھی

ایک ہی فصل پہ تھا دار و مدار
واں خزاں جا کے نہ آتی تھی بہار

ایک ہی ہوتے تھے دن رات سدا
آسماں کو تھی نہ گردش اصلا

تھی سمجھ پیر و جواں کی یکساں
عقل تھی خرد و کلاں کی یکساں

واں نہ تھی حدِّ بلوغ صبیاں
پیر بالغ تھے، نہ بالغ تھے جواں

نئی بولی کا وہاں صرف نہ تھا
تیس حرفوں کے سوا حرف نہ تھا

تھے خدا کے وہی ننانوے نام
اور لینا تھا وہاں نام حرام

اہلِ دولت نہ تھی عام عطا
ایک ہی سمت برستی تھی گھٹا

تھا نہ دیں داروں کو غیروں سے لگاؤ
ایک ہی سمت تھا رحمت کا جھکاؤ

دعوے غیروں کے تھے سب بے صرفہ
فیصلے ہوتے تھے نت یک طرفہ

راستی کا نہ تھا غیروں پہ گماں
حق نہ دائر تھا فریقین میں واں

تھی عناصر میں نہ واں آگ نہ باد
خلق سے اک موئی مٹی تھی مراد

حس و حرکت کے کوئی پاس نہ تھا
وہاں کا حیواں بھی حساس نہ تھا

تھی درختوں کی نہ واں نشو و نما
چلنے پاتی تھی نہ گلشن میں ہوا

گل شگفتہ تھے نہ پودے شاداب
واں زمانہ پہ نہ آتا تھا شباب

نہ ہی مرغوب تھی واں پوشش تن
جس سے آدم نے چھپایا تھا بدن

تھے پسندیدہ اُسی شان کے گھر
اسی انداز کے چلتے تھے جہاز
تھی اسی نسخہ پہ موقوف شفا
ٹوٹ سکتی نہ تھی واں رائے قدیم
واں کسی طرح نہ ممکن تھا غلا
گھوڑے دوڑائے تھے اگلوں نے جہاں
کی تھی جس جا قدما نے منزل
علم و فن تھے نئے سارے مردود
نئی لذت سے تھی ہر طبع نفور
سب کی گدی پہ لگی تھیں آنکھیں
پیچھے گر دیکھتے ریگستان
آگے ہوتا تھا اگر چشمۂ آب
روشنی رکھتی تھی اُن سے ان بن
تھا لکیر اپنی پہ ایک ایک فقیر
رسم و عادت نہ بدلتی تھی وہاں
آگ واں بجھ کے سلگتی کم تھی،
شان میں واں نہ سنا تھا حق کی

کی تھی حوّا نے جہاں عمر بسر
کشتیٔ نوح کا جو تھا انداز
جو تھا بقراط نے ترتیب دیا
تھا اِمٹ لکھ گئے جو اگلے حکیم
واں نہ پانی تھا مرکب نہ ہوا
وہی جولانگہ مردم تھی وہاں
بڑھنے پاتے تھے نہ واں اہلِ عمل
غیب سمجھے واں تھے خزانے محدود
نعمتیں حق کی [illegible] تھیں محصور
کچھ نہ آگے نظر آتا تھا انہیں
سوجھتا تھا وہ انہیں آب رواں
وہ سراسر نظر آتا تھا سراب
جیسے خفاش سے سورج کی کرن
دل پہ ہر نقش تھا پتھر کی لکیر
برف جم کر نہ پگھلتی تھی وہاں
اور سلگتی تھی تو لگتی کم تھی
گل بو علم دھوتی شان کھی

وضع میں تھا نہ تغیر خو میں ‏ ‏ جائے دل، سنگ تھا ہر پہلو میں
سمجھا جاتا تھا وہ دل بے فرمان ‏ ‏ مہر جس دل پہ نہ ہوتی تھی وہاں
بات مشکل تھی دلوں سے جانی ‏ ‏ نقش تھے دل کے خطِ پیشانی
غیر کی بات خطا اپنی صواب ‏ ‏ سب سوالوں کا تھا واں ایک جواب
چڑھ کے بحث کو جاتے تھے کہیں ‏ ‏ فتح کا پہلے سے ہوتا تھا یقیں
تھی وہاں حق کی یہی ڈفنیشن ‏ ‏ منہ سے جو اپنے نکل جائے سخن
اسی عالم میں پلے تھے ہم بھی ‏ ‏ اُسی ساون کے تھے اندھے ہم بھی

جانتے تھے کہ جہاں میں ہم پر ‏ ‏ ختم ہیں سارے کمالاتِ بشر
حق نے جو ہم پہ کئے ہیں احسان ‏ ‏ ان سے محروم ہے نوعِ انسان
سب سے ہر بات میں ہم ہیں افضل ‏ ‏ اب نہیں کوئی ترقی کا محل
اپنے حصے میں ہے ساری تہذیب ‏ ‏ خانہ پرورد ہے ہماری تہذیب
جو قدیم اپنا چلن ہے اور چال ‏ ‏ خردہ گیری کی نہیں اس میں مجال
ہے بری عیب سے خوراک اپنی ‏ ‏ پاک دھبے سے ہے پوشاک اپنی
رسم اپنی نہیں بے جا کوئی ‏ ‏ طور اپنا نہیں بھونڈا کوئی
آدمیت کے ہمیں ہیں مصداق ‏ ‏ ہم سے سیکھے کوئی حسنِ اخلاق
سب سے عالی ہیں خیالات اپنے ‏ ‏ سب مسلّم ہیں کمالات اپنے

ہم چلے جاتے ہیں جس رستے پر
واں نہ کھٹکا ہے کہیں کا نہ خطر

تھے سمائے ہوئے جو دل میں خیال
تھا تصور بھی خلاف ان کے محال

جس کو اک بار بُرا جان لیا
عمر بھر پھر اسے اچھا نہ کہا

ٹوٹتی تھی نہ کبھی اپنی دلیل
وہی دعویٰ تھا وہی اپنی دلیل

وہم و شک کی کوئی صورت ہی نہ تھی
ہم کو تحقیق کی حاجت ہی نہ تھی

جو بدلنی تھی نہ بدلی تھی کبھی
رائے ایسی تھی پسند ایسی تھی

ہم سمجھتے تھے نہ سمجھانے سے
اور اُلجھ جاتے تھے سلجھانے سے

سچ وہی تھا جسے سچ جان لیا
جھوٹ تھا جھوٹ جسے مان لیا

حق و باطل کی یہی تھی میزان
جھوٹ اور سچ کی یہی تھی پہچان

ذات باری کو نہیں جیسے زوال
رائے اپنی بھی بدلنی تھی محال

کوہ مٹ جائے تو یہ تھا ممکن
ہم نہ ہٹتے تھے جگہ سے لیکن

حسنِ ظن تھا یہ سمجھ پر اپنی
غلطی کا نہ تھا گماں تک بھی

تھے لڑکپن کے خیالات تمام
دل میں اترے ہوئے مثل الہام

دیکھتے سنتے تھے جو اس کے خلاف
نظر آتا تھا وہ سب لاف و گزاف

تھی نئی بات سے یاں تک نفرت
ہوتی تھی سننے سے پہلے وحشت

بو نئے پن کی جو پا لیتے تھے
ناک بِن دیکھے چڑھا لیتے تھے

عقل کی تھیں نہ صلاحیں مقبول
تھی وہ سرکار میں اپنی معزول

فکر پر زور نہ ڈالا تھا کبھی
ہوش ہم نے نہ سنبھالا تھا کبھی

جو کہ تھا اپنی کتابوں میں لکھا
کوئی حرف اس میں جز الہام نہ تھا

جو کہانی تھی بزرگوں نے کہی
تھا وہی فلسفہ اور علم وہی

تھا لباسوں میں لباس اپنا لباس
اور سب سوختن بے وسواس

تھی زباں اپنی زبانِ پاکان
ماسوا اہلِ جہنم کی زبان

جلوہ دہر کا باقی تھا نہ ہوش
تھے نشہ میں یہ خودی کے مدہوش

کان میں پڑتی تھی جب بات نئی
غیر ہو جاتی تھی حالت دل کی

خرق عادات بھی گر دیکھتے تھے
آنکھ اٹھا کر نہ ادھر دیکھتے تھے

نئی آواز سے چونک اٹھتے تھے
اوپری شکل پہ بھونک اٹھتے تھے

ساری دنیا سے نرالا تھا مذاق
ہم کو تھا زہر بھی اپنا تریاق

اپنی حجت کو قوی جانتے تھے
بات ہر پھر کے وہی مانتے تھے

تھا نہ قصدِ حق و باطل مطلق
جو پڑھا تھا وہی ازبر تھا سبق

خصم سے بحث اگر کرتے تھے
حق سے ہم قطع نظر کرتے تھے

کاٹ دی خصم نے جو بات کہی
بحث و تکرار کی غایت تھی یہی

خصم کی بات کو کرنا تسلیم
اپنے نزدیک ہزیمت تھی عظیم

حق کا خطرہ جو کبھی آتا تھا
نفس آپ اپنے کو جھٹلاتا تھا

دشمنی کے یہی معنی تھے کہ جو
ہم کہیں بات وہ تسلیم نہ ہو

ہم اندھیرے کو اگر کہتے تھے نور ۔۔۔ دوستوں کو یہی کہنا تھا ضرور
گر خلاف اپنے کوئی بول اٹھا ۔۔۔ اس سے بڑھ کر کوئی بدخواہ نہ تھا
ذکر غیروں کا نہ تھا بے نفریں ۔۔۔ کوئی مردود تھا اور کوئی لعیں
غیر کے واسطے تھی نارِ سعیر ۔۔۔ باغِ فردوس تھی اپنی جاگیر
اور تھے حرص و ہوا کے بندے ۔۔۔ ہم تھے مخصوص خدا کے بندے
بخششیں ختم تھیں ساری ہم پر ۔۔۔ وقف تھی رحمت باری ہم پر
نیک اعمال تھے غیروں کے تباہ ۔۔۔ اور مغفور تھے سب اپنے گناہ
عین تحقیق تھی اپنی تقلید ۔۔۔ شرک اپنا تھا سراسر توحید
تھا بدی کا نہ گنہ کا کچھ ڈر ۔۔۔ پاس ایسی کوئی رکھتے تھے سپر
سب دعا گو تھے ہمارے ملکوت ۔۔۔ تھے ہمیں آدم و حوا کے سپوت
حوض کوثر پہ تھا قبضہ اپنا ۔۔۔ سلسبیل اپنی تھی طوبےٰ اپنا
اپنی ظلمت تھی سراسر تنویر ۔۔۔ اپنے اندھوں کو بھی کہتے تھے بصیر
رکھتے جنت میں نہ تھے ہم ساجھی ۔۔۔ غیر ناری تھے سب اور ہم ناجی
تھے قضا اور قدر کے مالک ۔۔۔ ہم تھے اللہ کے گھر کے مالک

عصبیت میں رہے جب تک چور ۔۔۔ کھینچتے یوں ہی رہے آپ کو دور
نظر آتا نہ تھا کچھ پست و بلند ۔۔۔ تھے ہم اک کلبۂ تاریک میں بند

دی جب انصاف نے دستک آ کر — حجرۂ تنگ سے نکلے باہر
جلوۂ علم و یقیں کو دیکھا — آسماں اور زمیں کو دیکھا
رُخ حقیقت نے دکھایا ہر سو — چاندنا سا نظر آیا ہر سو
کی تعصب سے جو نہیں قطع نظر — ہوا اک اور ہی عالم میں گزر
علم پر تھا نہ جہاں کوئی حجاب — دھوکا پانی کا نہ دیتا تھا سراب
جھوٹ سے سچ نتھر آتا تھا الگ — دودھ پانی نظر آتا تھا الگ
نکتہ چیں یار تھے واں یاروں کے — قدرداں غیر تھے اغیاروں کے
دور بیگانہ نہ تھا خویش سے وہاں — خویش اول تھا نہ درویش سے واں
عیب سب کہتے تھے اپنے خوش خوش — دوغ واں اپنی کبھی ہوتی تھی ترش
تھی نجس کوئی نہ انساں کی زباں — گاڈ بھی کہتے تھے اللہ کو وہاں
حق کی پہچان جُز اخلاص نہ تھی — حق کی کوشش کوئی واں خاص نہ تھی
ساتھ اغیار کے کھاتے تھے اگر — کبھی ایمان کا نہ ہوتا تھا ضرر
صلحا لمپ جلاتے تھے وہاں — اتقیا میز پہ کھاتے تھے وہاں
نہ سمجھتا تھا وہاں کوئی بشر — آپ کو نوع بشر سے بہتر
بھائی انسان تھے سب انسانوں کے — ہیت ہندو تھے مسلمانوں کے
ایک معدن کے تھے سب لعل و گہر — ایک ڈالی کے تھے سب برگ و ثمر
اشعری معتزلی، لا مذہب — ایک ماں باپ کی اولاد تھے سب

اپنی ہر رائے پہ کرنا اصرار　　کفر وہاں بس یہی پایا تھا قرار
ہٹ سے باز آتے نہ تھے جو زنہار　　تھے وہ بوجہل کی امت میں شمار
پاؤں واں جنکے پھسل جاتے تھے　　خود پھسل کر وہ سنبھل جاتے تھے
ٹیڑھ وہاں دل کی نکل سکتی تھی　　رائے اپنی بھی بدل سکتی تھی
دیکھ حجت کو قوی پیر و جواں　　بند ہو جاتے تھے بچوں سے وہاں
حق کی آواز جہاں آتی تھی　　مت کروڑوں کی بدل جاتی تھی
پاک عقلیں تھیں خطا سے نہ ملوم　　جز نبی کوئی نہ تھا واں معصوم
غور ہر بات میں کی جاتی تھی　　مشورت عقل سے لی جاتی تھی
تھی وہاں عقل معطل نہ حواس　　سب قوی کام میں تھے بے وسواس
آنکھ رہ سکتی نہ تھی بن دیکھے　　کان سننے سے نہ باز آتے تھے
سوجھتی تھی جو انوکھی کوئی چیز　　جانچتی تھی اسے واں چشم تمیز
سنتے تھے بات نرالی جس دم　　کستے تھے اس کو محک پر پیہم
کڑوے اور میٹھے کو چکھ لیتے تھے　　کھرے کھوٹے کو پرکھ لیتے تھے
پھول ہر خار سے چن لیتے تھے　　بھوگ نیچوں کے بھی سن لیتے تھے
عادتیں سب کی بدلتی تھیں سدا　　ایک اللہ کی عادت کے سوا
عیب جس بات میں ہم پا لیتے تھے　　دل وہیں اس سے ہٹا لیتے تھے
اُجلی پوشاک جو بدل جاتی تھی　　میلے کپڑوں سے شرم آتی تھی

دیکھ لی جس نے کہ شمع کافوری
تھا وہ چپکٹ گھر ڈیوٹ سے نفور

ہاتھ آ جاتا تھا جب مال نیا
پھینک سب دیتے تھے عطار دوا

گر کبھی ہو جاتے تھے گھر جن کے کھنڈر
گھر کی واجب تھی حرمت اُن پر

نت نئی ریت نکلتی تھی وہاں
رنت سماں روز بدلتی تھی وہاں

قافلے چلتے تھے دن رات تمام
کسی منزل پہ نہ کرتے تھے مقام

قبلہ تھا علمِ الٰہی ان کا
تھا سفر نامتناہی اُن کا

تشنۂ علم تھے وہاں سب ایسے
پیاسے پانی کے ہوں طالب جیسے

نہ مجسطی پہ قناعت تھی اِنہیں
نہ اشارات کفالت تھی اِنہیں

عرشِ تحقیق تھا استھان ان کا
مصر تیرتھ تھا نہ یونان ان کا

دیکھا جب عالمِ انصاف کا رنگ
ہم کو خود آنے لگا آپ سے ننگ

خوبیاں اپنی تھیں جو ذہن نشیں
ان پہ ہم کرنے لگے خود نفریں

عیب سب اپنے نظر آنے لگے
آپ ہم اپنے سے شرمانے لگے

ہوئی وہ بزمِ خیالی برہم
تھا طلسمات کا گویا عالم

جس کو سمجھے تھے غلط ہم دریا
اک وہ ناچیز سا قطرہ نکلا

تھا کیا جس کو یقیں چشمۂ آب
وہ نمائش تھی حقیقت میں سراب

قصر و ایواں کا گماں تھا جن پر
نکلے آخر وہ گڑھے اور کھنڈر

تھا سبک دانۂ خردل سے سوا
کوہ الوند جسے سمجھا تھا

جب ہر ایک قوم کا ساماں دیکھا
ہم نے واں آپ کو عریاں دیکھا

نکلے سب ہیچ خیالات اپنے
ٹھہرے سب پوچ کمالات اپنے

آپ کو اونٹ سمجھتا تھا بڑا
سابقہ جب تک کسی گھاٹی سے نہ تھا

چوٹیاں آئیں جو پربت کی نظر
پھر اٹھایا نہ کبھی اونٹ نے سر

بھنگا جب تک رہا گولے میں نہاں
تھا وہی اس کے تصور میں جہاں

پر وہ گولے سے جو باہر آیا
اپنی ہستی سے بہت شرمایا

منہ جب آئینہ میں دیکھا جا کر
ہم کو اک شکل مہیب آئی نظر

ہوا حیرت سے دگرگوں احوال
ڈر گئے دیکھ کے اپنے خط و خال

دیکھا جب آپ کو بالکل معیوب
چھپ گئے غیروں کی آنکھوں سے عیوب

یک قلم ہو گئی نخوت کافور
بن گیا رشک ہمارا وہ غرور

ناخن فکر نے کی دل میں خراش
عیب جویوں کے لگے کرنے تلاش

جن کے طعنوں کی تھی ہم پر بھرمار
ان کے ہم دل سے ہوئے شکر گذار

ہم نے جانا کہ یہی ہیں دل سوز
چل رہے تیر ہیں جن کے دل دوز

ان کا غصہ ہے سراسر رحمت
زہر میں ان کے بھرا ہے امرت

انہیں بندوں کے ہیں ایمان سچے
یہی کافر ہیں مسلمان سچے

ذائقہ انصاف کا جب ہوگا نشاں
مانے جائیں گے انہیں کے احساں

بے خبر گو کہ پڑے سوتے تھے
ان کی آواز سے ہم چونک اٹھے

ان کے طعنوں نے جگایا ہم کو ۔۔۔ زہر نے ان کے جلایا ہم کو

یار و اغیار کے عیب اور ہُنر ۔۔۔ آشکارا ہوئے ایک ایک ہم پر

حق کے جلوے نظر آئے ہر جا ۔۔۔ اہل باطل میں بھی اک پائی ادا

ملا ہر راہ میں باطل کا سراغ ۔۔۔ اہل حق کو بھی نہ پایا بے داغ

اہلِ تقویٰ کی ریائیں دیکھیں ۔۔۔ اہل حکمت کی خطائیں دیکھیں

زشتیاں دیکھیں نکوکاروں میں ۔۔۔ خوبیاں پائیں گنہ گاروں میں

کلب کی پاک سرشتی دیکھی ۔۔۔ پائے طاؤس کی زشتی دیکھی

عیب بھی دیکھے ہُنر بھی دیکھے ۔۔۔ خار دیکھے تو ثمر بھی دیکھے

ہُنر اغیار میں پائے اکثر ۔۔۔ عیب اپنے نظر آئے اکثر

دفترِ علم کو ابتر پایا ۔۔۔ علم کو جہل سے بدتر پایا

مجلسیں غیبت و بہتان سے پُر ۔۔۔ صحبتیں جھوٹ سے طوفان سے پُر

منقطع بھائی کی بھائی سے اُمید ۔۔۔ اپنا بیگانہ ۔ ہوس کے سفید

پاک بندوں کی زباں پر دشنام ۔۔۔ نہ ثقات اس سے بری اور نہ کرام

فقراء مکر و ریا کے پُتلے ۔۔۔ اغنیا حرص و ہوا کے پُتلے

شیخ عیار تو زاہد پُر فن ۔۔۔ مولوی عقل کے عیاری دشمن

پیاز کی طرح نرے پوست ہی پوست ۔۔۔ قوم کے دوست مگر نادان دوست

حالت القصہ جو دیکھی اپنی ۔۔۔ کوئی کل پائی نہ سیدھی اپنی

سارے آوے کو ٹٹولا جا کر — کوئی برتن نہ سڈول آیا نظر
پایا اک دین کا محکم قانون — وہ بھی یاروں کے بدولت مطعون
دیکھی آنکھوں سے جو یہ حالتِ زار — جی بھر آیا نہ رہا صبر و قرار
گو نہ تھا تلخ نوائی کا محل — آہیں دو چار گئیں دل سے نکل

تلخ گزرے جو کسی کو یہ صدا
حق میں تلخی کے سوا اور ہے کیا

۳۔ مناظرۂ واعظ و شاعر

کل جو میں نے بسترِ راحت پہ جا کر دم لیا
دل کو اک وقفہ غمِ دنیا سے فرصت کا مِلا
کی تصوّر نے وہیں اک بزمِ رنگیں آشکار
مجلسِ ارباب معنی جس کو کہنا ہے بجا
گرم تھا واں ہر طرف ہنگامۂ بحث و نظر
سرخرو گنگ و نہ حجت سے تھا ہر مدعا
شمعِ استدلال میں روشن تھا فانوسِ بیان

چار سو ہنگامہ آرا تھی لم و لا کی صدا

تھے فراہم جس قدر اس بزم میں اہلِ کمال
تھا شرف کا اپنے اپنے فن کے سب کو ادّعا

مولوی کہتے تھے غیر از علمِ دیں سب ہیچ ہے
فلسفی کہتے تھے ہر فن کی ہے حکمت پر بنا

صوفیِ صافی ادھر کچھ کہہ رہا تھا زیرِ لب
واعظِ معجب ادھر کچھ بک رہا تھا برملا

خود فروشی کا غرض تھا ہر طرف بازار گرم
ساز گوناگوں تھے لیکن ایک تھی سب کی صدا

شاعرِ مغرور بھی اک سمت خنداں زیرِ لب
سن رہا تھا لافِ اہلِ فضل اور خاموش تھا

جا کے پہنچا جب وہاں تک دورِ صہبائے سخن
دفعتاً مجلس سے اٹھا اور ہوا یوں خود ستا

دعوئ فضل و براعت اس کو زیبا ہے یہاں
جو کوئی تلمیذِ رحمٰن تم میں ہو میرے سوا

ہے تصرف میں ہمارے عرصۂ دشتِ خیال
کچھ نہیں معلوم جس کی ابتدا اور انتہا

رہروی میں ہم کو چشم و گوش پر تکیہ نہیں
ہیں ہمارے بال و پر اندیشۂ فکر رسا
صاف ہوتا ہے بیاں اپنا غش و غاشاک سے
پاک ہو جیسا وساوس سے دلِ اہلِ صفا
اتفاقاً گر کسی کی مدح پر آجائیں ہم،
خاطرِ دشمن میں اس کا نقشِ الفت دیں بٹھا
خاک کو چرخ بریں پر دیں اگر ترجیح ہم
ماند ہو ذرّے کے آگے مہرِ تاباں کی ضیا
وصفِ خوباں ہم سے گر سن پائے سالک ایکبار
ہو نہ ہرگز بہرۂ عشقِ مجازی سے رہا
گر کریں ہم گل رخوں کی بے وفائی کا بیاں
ہو نہ بلبل پھر چمن میں روئے گل پہ مبتلا
کھینچ دیں گر خاطرِ مشتاق کی تصویرِ شوق
قیس کی کرنی پڑے لیلیٰ کو جا کر التجا
ہیں ہماری مدح کے پیر و جوان امیدوار
اور ہماری ہجو سے تھراتے ہیں شاہ و گدا
گرمیٔ بزمِ حریفاں ہے ہماری ذات سے

بادہ گلگوں کا ہے ہر بات میں اپنی مزا

فکر اپنی لغزشِ اہلِ نظر سے پاک ہے

ہم جہاں چلتے ہیں وہاں مسدود ہے راہِ خطا

کچھ نہیں اپنا ضرر گر ہو روایت میں غلط

جھوٹ سے ہوتی ہے یاں رونق عبادت کو سوا

دی نہیں گویا شریعت نے ہمیں تکلیف کچھ

جو نہیں جائز کسی کو ہے وہ سب ہم کو روا

خودستائی جو کسی کو جز خدا پھبتی نہیں

آ کے ہو جاتی ہے شاعر کی زباں پر خوش نما

فحش اور دشنام کو ملتا ہے یاں رنگِ قبول

گالیاں دے دے کے ہم سنتے ہیں اکثر مرحبا

جب یہ بالا خوانیاں شاعر کی واعظ نے سنیں

مسکرایا اور یہ فرمایا کہ اے ہرزہ سرا

شیوہ تیرا بوالفضولی اور یہ لاف و گزاف

پیشہ تیرا یاوہ خوانی اور اتنا ادعا

اسفت جو حق کے عالم جو تھا اندیشے خبر

وارثِ علمِ نبی قائم مقامِ انبیاء

کیا ادب جاتا رہا ان کا بھی تجھ کو اے سفیہ
بر سرِ مجلس ہے تو جو اس طرح ہنکارتا

گو نہیں گنتی میں اہلِ علم کی یہ خاکسار
پر نہ جانے تیرے یہ دعوے ناروا

ہر سخن کا اک جدا ہوتا ہے موقع اور محل
ہزل اور مسخریت کجا بزمِ خردمنداں کجا

علم اور حکمت کے ہوں جس بزم میں دفتر کھلے
کس نے دی ہے تجھکو وہاں اس ہرزہ گوئی کی رضا

شعر مستحسن اگر ہوتا تو قرآن میں اسے
کیوں خلافِ شانِ ختم المرسلینؐ کہتا خدا

شان میں بالعلم یزری جس کی آیا ہے صریح
فخر ہے اس شعر پر تجھ کو اے شر الوریٰ

چاہیئے انفاس اہل الذکر سے ہو مستفید
ہو نہ جس کو علم سنت اور کتاب اللہ کا

خود ہو تم بے علم اور صحبت سے اہلِ علم کی
بھاگتے ہو جیسے شیطان ہے اذان سے بھاگتا

ہے یہی باعث کہ بک اٹھتے ہو تم بے اختیار

•

جو تمہارے منہ میں آتا ہے سزا اور نا سزا

اُس زبانِ یاوہ گو کو اہجی کیا سمجھا ہے تو
جرم گو چھوٹا ہے اس کا جُرم ہے لیکن بڑا

ہے حقیقت میں ترے سارے خیالات بلند
ہجو ہے تو بے اثر اور مدح ہے تو بے مزا

ہے جہاں خامے کو تیرے خدمت تشبیہ لگی
مورت اک پتھر کی ہے وہاں حور جنت سے سوا

بال سے باریک تر معشوق کی تیرے کمر
رات سے تاریک تر ہجرِ صنم میں دن تیرا

شش جہت میں تو کرے برپا قیامت بار بار
یار سے اپنے اگر دم بھر کو ہو عاشق جدا

تیغ چوبیں کی ہو گر بُرش بیاں کرنی تجھے
ہے تنزل گر اسے ٹھہرائے تو تیغ قضا

ہو جہاں لکھنی تجھے اسپ گلی کی جست و خیز
اک ترارے میں اسے پہنچائے تو فوق السماء

تو ہوا مدح و ثنا میں جس کی سرگرم غلو
اور اُلٹا خوبیوں پر اس کے پردہ پڑ گیا

بڑے درجے کا تنزل ہے اگر ٹھہرائے تو
جم کو اس کے در کا درباں اور بہمن کو گدا

بہمن و جمشید یہاں بیچارے کس گنتی میں ہیں
ننگ ہیں ہاتھوں سے تیرے انبیا اور اولیا

لکھے تو اک گربۂ مسکین کو سارا منزلت
اور کہے اک لعبتِ سنگیں کو تو یوسف لقا

فی المثل گر ہو ترا ممدوح اک برگِ گیاہ
اس میں ثابت کر کے چھوڑے تو صفاتِ کبریا

بادخانوں سے سوا ہو تجھ کو فکرِ تہنیت
خواب میں سن پائے تو گر کوسِ شادی کی صدا

ہند میں غل ڈال دے تو نالہ ہائے شوق سے
چین میں شہرہ ہو گر اک شاہدِ نوخیز کا

شعر کو الہام سمجھے گر نصیبوں سے کبھی
کان میں پڑ جائے تیرے ایک جھوٹی واہ واہ

مذہبِ شاعر میں جس کا دین باطل نام ہے
راستی اور صدق سے بڑھ کر نہیں کوئی خطا

سر بسر اقوال تیرے کچھ ہیں اور افعال کچھ

ہے زبانِ گوہر افشاں پر نعم اور دل میں لا
شان میں آیا ہے جن کے قول مالا یفعلون
چشم بد دور آپ کے ہادی ہیں وہ اور مقتدا
ایسے دروازے بہت کم پائیں گے آفاق میں
جن پہ صبح و شام تو نے دی نہ ہو جا کر صدا
ہے زبان [illegible] تابع فرمان حرص
کام تجھ کو کچھ نہیں جز مدح و قدح اغنیا
مدح میں حد سے زیادہ جن کی کرتا ہے غلو
گالیاں دیتا ہے تو اکثر انھیں کو برملا
جیسے دروازوں سے پھرتے ہیں دعا دے کر فقیر
مدح تو بھی ختم کرتا ہے یونہیں دے کر دعا
ہر دعا میں ہے مقدر شرط ان اعطیتنی
صاف لعنت کا دعا میں تیری آتا ہے مزا
پردۂ عرض ہنر میں مانگتا ہے بھیک تو
گر یہی ہے شاعری تجھ سے بہتر ہے گدا

زہر دل کا جب کہ واعظ نے لیا سارا اگل
اور نہ کوئی تیر باقی اس کے ترکش میں رہا

سن کے شاعر نے کہا بس اے خدنگ انداز بس
ہے زباں تیرے دہن میں یا سنانِ جاں گزا

چوٹ تھی تیری سخن پہ جا پڑی اخلاق پر
تو نے چاکِ پیرہن کو تا جگر پہنچا دیا

خردہ گیری کے لئے حاضر ہے شاعر کا کلام
اس سے کیا مطلب کہ ہے وہ بندۂ حرص و ہوا

تو اگر معصوم ہو تو کچھ کہی جاتی نہیں
پھنس رہا ہے ورنہ اس پھندے میں ہر شاہ و گدا

کھیلتے پھرتے ہیں میدانِ جہاں میں سینکڑوں
آڑ میں ٹٹی کے لاکھوں اور ہزاروں برملا

حرص ہوتی جسم میں انساں کے گر جائے خون
شاعروں سے تیرے چہرے کی دمک ہوتی سوا

میں نے ان آنکھوں سے اے واعظ لباسِ وعظ میں
جو فروشی کرتے دیکھے ہیں بہت گندم نما

ضبط ہے اک نظم کو کہہ دوں گر برا مانو نہ تم

آپ ہو بیمار اوروں کو دیتے ہو دعا

آپ میں تسبیح و ذکر و طاعت و زہد و ورع
خوبیاں سب کچھ تھیں پر دل کا مالک ہے خدا

میں بتاؤں آپ کو اچھوں کی کیا پہچان ہے
جو ہیں خود اچھے وہ اوروں کو نہیں کہتے برا

بات حق ہو یا کہ باطل تیری مرضی کے خلاف
منہ سے نکلی اور تجھے تکفیر کا پہلو ملا

ترک اولی پر فضیحت جس قدر کرتا ہے تو
قتل انسان پر نہیں ملتی کہیں ایسی سزا

ہے فقط دوزخ تیری سرکار میں جنت نہیں
چوک جس سے ہو گئی کچھ، پھر نہیں تو بخشتا

عاصیوں کی مغفرت جن سے نکلتی ہے صریح
ایسی آیات اور حدیثوں سے ہے تو جی میں خفا

گر خدا بھی واعظ ہوتا تمہیں سا سخت گیر
اس چمن کو دیکھتا کوئی نہ پھر پھولا پھلا

گرم بازاری اسی میں اپنی بس سمجھے ہو تم
لوگ ہوں بدراہ اور ان کے بنو تم رہ نما

چاہتے ہو تم یہاں کثرت معاصی کی یہ نہیں
ہیں اطبّا چاہتے جس طرح اجر عقبیٰ وردھا

آپ ان باتوں کو اک بہتان سمجھیں گے مگر
سوجھتی اکثر نہیں انسان کو اپنی خطا

جو کہوں میں اس کو باور کر نہیں اس میں خلاف
شاعروں کے کذب سے بدتر ہے واعظ کی ریا

یہ کبھی کوئی جھوٹ ہے تم خود ہیں جس کے معترف
جھوٹ وہ ہے جو بہ پردے میں تقدس کے چھپا

دعوتوں میں سچ بتا جس شوق سے جاتا ہے تو
ایک بھی کی ہے نماز اس شوق سے تو نے ادا

یاد ہے وہ تیرا کہنا دیکھ کر کھانے چُنے
دین قایم ہے ابھی باور کرو شکر خدا

مدرسے کوشش سے تیری اگ گئے ہیں شہر شہر
مسجدیں بھی تو نے بنوائی ہیں اکثر جا بجا

پہ یہ حیرت ہے کہ ان کاموں میں جو لاگت لگی
اس سے وہ چند آپ کے دیوان خانہ میں لگا

مجرموں کے جرم شاید ہوں نہ اتنے خوف ناک

نیکیاں تیری ہیں جیسی پُر خطر روزِ جزا
ہے یقیں اتنا ہی ہوگا اپنے دل میں تو حقیر
جس قدر مانا ہے زید و عمر نے تجھ کو بڑا
کر دیا رسوا تیری تزویر نے تذکیر کو
ورنہ اک منصب تھا یہ شایانِ شانِ انبیا
لطف ہے تو دل ربا اور قہر ہے تو دلفریب
سحر ہے افسوں ہے جادو ہے تری جو ہے ادا
گہہ جہنم سے ڈرا کر چاہتا رشوت ہے تو
گاہ حوروں پر لبھا کر مانگتا ہے رونما
گونجتا ممبر پہ ہے یوں بیٹھ کر گویا کہ آپ
آسماں سے لے کے اترے ہیں ابھی حکمِ خدا
ہاتھ میں تیرے ہے گویا نار و جنت کی کلید
جس نے پوجا تجھ کو وہ فردوس میں داخل ہوا
نیکیاں برباد ہیں ساری تیری خدمت بغیر
فرقہ ناجی ہے بس اک پوجنے والا تیرا
اپنی اک امت الگ سب سے بنانے کے لئے
تفرقے ڈالے ہیں دینِ حق میں تو نے جا بجا

تیرے گھر سے ہیں مسلمانوں میں ہے جب تک نزاع
اختلاف امت کا حق میں تیرے رحمت ہو گیا

جس طرح جھگڑوں کے خواہاں عدالت میں وکیل
مانگتا ہے تو یونہیں باہم خصومت کی دعا

چاہتا ہے قوم میں جوتی سدا چلتی رہے
کشتئ اسلام کا پھر کیوں نہ ہو تو ناخدا

شاعروں کو بس اسی منہ سے گدا کہتا ہے تو
اے اسیر دام نفس اے بندۂ حرص و ہوا

کچھ گدا کہنے سے تیرے ہم گدا ہوتے نہیں
ورنہ ہم بھی یوں تو کہہ اٹھتے ہیں بعضوں کو گدا

شاعروں پر ہے بڑا یہ طعن حضرت کا کہ ہم
حد سے بڑھ جاتے ہیں جب کرتے ہیں مدح اغنیا

طعن کچھ بیجا نہیں رکھتے ہیں پر اک عذر ہم
غور کرنا عذر پر ہے شیوۂ اہل صفا

سب پہ روشن ہے کہ ہم لوگوں کا اک پیشہ ہے مدح
جیسے تم لوگوں کا پیشہ ہے یہی مکر و ریا

اپنے اپنے کام اور پیشہ میں ہم ہوں یا کہ تم

کرتے نہیں ہوتا ہے جو کچھ مصلحت کا مقتضا

وعظ میں دیتے ہو اکثر داستاں کی چاٹ تم
راستی سے کام جب چلتا نہیں تسخیر کا

مدح میں ہم بھی یونہیں کرتے ہیں رنگ آمیزیاں
جب تن ممدوح پر کھلتی نہیں سادی قبا

پھول پھل سے سرو کو بے بہرہ جب پاتے ہیں ہم
ایک طرہ اس میں آزادی کا دیتے ہیں لگا

سوسن و نسریں و گل میں جب وفا پاتے نہیں
ورنہ رنگ و بو سے ہم دیتے ہیں عیب انکا چھپا

پر ہم اس پردے میں خود اپنا دکھاتے ہیں کمال
ورنہ اک مدح ہے ممدوح کے حق میں ہجا

اس سے بڑھ کر ہجو ہو سکتی ہے کیا انسان کی
لکھیں اعمیٰ کو بصیر اور رہزن کو رہنما

عدل میں لکھتے ہیں ہم نوشیرواں عہد انہیں
ایک مقسوم صدقہ ہوتا نہیں جن سے ادا

حاتم وقت ان کو ٹھہراتے ہیں جن کا بذل و جود
اس لئے ہے تاکہ حاصل حاکموں کی ہو رضا

زیرکی میں ان کو کہتے ہیں ارسطوئے زماں
ہم نشیں احمق بناتے ہیں جنہیں صبح و مسا

کہتے ہیں کس شد و مد سے ہم انہیں بیدار مغز
جو نہیں واقف کہ آمد کیا ہے اور ہے جمع کیا

جو غلامانہ خوشامد کرتے ہیں حکام کی
ان کی آزادی پہ ہم کہتے ہیں سو سو مرحبا

ان میں ثابت کرتے ہیں ہمدردیٔ نوعِ بشر
آپ کو گنتے ہیں جو نوعِ بشر سے ماوریٰ

حامیٔ اسلام دیتے ہیں خطاب انکو کہ جو
کرتے ہیں رسوا چلن سے اپنے نام اسلام کا

یاورِ خلق ان کو کہتے ہیں جنہیں اے واعظو
غم کسی کے کام کا رکھتے نہیں اپنے سوا

مدح کی جاتی ہے یہاں اکثر اسی انداز سے
شیخ ہو ممدوح یا واعظ غنی ہو یا گدا

قطبِ دوراں ان ریاکاروں کو ٹھہراتے ہیں ہم
آپ کو بھی جو سکھائیں مدتوں مکر و دغا

ان فسوں سازوں کو ہم لکھتے ہیں ذوالنوں زماں

بیٹھ کر ممبر پہ جو آنکھوں کا کاجل لیں اڑا
آپ چھٹ اس کو کہیں جو مدح وہ بے مغز ہے
نام اسی کا مدح ہے تو ہجو ہے پھر چیز کیا

چبھتی اور دکھتی سخنور نے یہ کی تقریر جب
اور لگے سب مسکرانے دیکھ کر یہ ماجرا
دل میں واعظ نے پڑھی لاحول اور سمجھا کہ میں
چھیڑ کر اک بے ادب کو مفت میں رسوا ہوا
پر بہ ظاہر داغ یہ دامن سے دھونے کے لئے
ہنس کے اک سنجیدگی سے اور متانت سے کہا
ہو چکیں باتیں ہنسی کی اب کرو کچھ فکر اور فکر
ہزل اور استہزا زیادہ حد سے ہوتا ہے برا
کہئے فکر شعر کا ہوتا ہے اب بھی اتفاق
آپ نے دیوان مرتب کیوں نہیں اب تک کیا
ہیں ہنسی کی اور باتیں کیجئے انصاف اگر
ہے غزل میں آپ کی دیوانِ حافظ کا مزا
عرض کی شاعر نے حضرت کا ہے یہ سب حسنِ ظن

ورنہ میں کیا اور مرا مجموعۂ اشعار کیا

قبلہ اب وہ دن گئے جو شاعروں کی قدر تھی
شاعری اور نکتہ پردازی میں اب ہے کیا دھرا

شعر اگر کہئے تو روٹی جا کے کس گھر کھائیے
سیکڑوں پھرتے ہیں شاعر تنگ دست اور بینوا

اب تو یہ کہتا ہوں شعر و شاعری کو چھوڑ کر
وعظ میں شاگرد ہو جاؤں کسی استاد کا

اس گئے گذرے زمانے میں بھی یہ فنِ شریف
کیمیا ہے کیمیا ہے کیمیا ہے کیمیا

آپ لوگوں کی تو اس میں ریس کرنی ہے محال
ہاں ہمیں بھی سیکھنے سے کچھ نہ کچھ آجائے گا

روز اک سونے کی چڑیا گر نہ ہاتھ آتی نہ آئے
ہم گنہگاروں کا پیٹ ایسا نہیں ہے کچھ بڑا

کی سخن پرداز سے واعظ سے جب یہ گفتگو
قہقہوں سے چار سو مجلس میں اک غل مچ گیا

خواب کا سادہ سماں جاتا رہا سب یک بیک
اور وہی پہلو سے دل نے کان میں میرے صدا

ہزل ہو یا جد۔ نصیحت لیجئے ہر بات سے
کہ گئے ہیں اہلِ دل دع ما کدر و خذ ما صفا

انتخاب از دیوانِ حالی

۱۔ قطعات :۔

شعر کی طرف خطاب

اے شعر دل فریب نہ ہو تو تو غم نہیں
پر تجھ پہ حیف ہے جو نہ ہو دل گداز تو

صنعت پہ ہو فریفتہ عالم اگر تمام
ہاں سادگی سے آئیو اپنی نہ باز تو

جوہر ہے راستی کا اگر تیری ذات میں
تحسین روزگار سے ہے بے نیاز تو

حسن اپنا گر دکھا نہیں سکتا جہاں کو
آپ کو دیکھ اور کر اپنے پہ ناز تو

تو نے کیا ہے بحر حقیقت کو موج خیز
دھوکے کا غرق کر کے رہے گا جہاز تو
وہ دن گئے کہ جھوٹ تھا ایمان شاعری
قبلہ ہو اب اُدھر تو نہ کیجو نماز تو
اہلِ نظر کی آنکھ میں رہنا ہے گر عزیز
جو بے بصر ہیں ان سے نہ رکھ ساز باز تو
ناک اوپری دوا سے تری گر چڑھائیں لوگ
معذور جان ان کو جو ہے چارہ ساز تو
چپ چاپ اپنے سچ سے کئے جا دلوں میں گھر
اونچا ابھی نہ کر علم امتیاز تو
جو نابلد ہیں ان کو بتا جو رہن کے راہ
گر چاہتا ہے خضر کی عمر دراز تو
عزت کا بھید ملک کی خدمت میں ہے چھپا
محمود جان آپ کو گر ہے ایاز تو
اے شعر راہ راست پہ تو جب کہ پڑ لیا
اب راہ کے نہ دیکھ نشیب و فراز تو
کرنی ہے فتح گر نئی دنیا تو لے نکل

بیڑوں کا ساتھ چھوڑ کے اپنا جہاز تو

ہوتی ہے سچ کی قدر یہ بے قدریوں کے بعد
اس کے خلاف ہو تو سمجھ اس کو شاذ تو

جو قدرداں ہو اپنا اُسے مغتنم سمجھ
حالی یہ تجھ کو ناز ہے گر اس پہ ناز تو

مشاعرہ کی طرح پر غزل نہ لکھنے کا عذر

ہوئی ریعان جوانی کی بہار آخر حیف
طبع رنگیں تھی ہے عشق کی جب متوالی

اپنی روداد تھی جو عشق کا کرتے تھے بیاں
جو غزل لکھتے تھے ہوتی تھی سراسر حالی

اب کہ الفت ہے نہ چاہت نہ جوانی کی اُمنگ
سر ہے سودا سے تہی عشق سے دل ہے خالی

گر غزل لکھئے تو کیا لکھئے غزل میں آخر
نہ رہی چیز وہ مضمون سجھانے والی

آپ بیتی نہ ہو جو ہے وہ کہانی بے لطف

گرچہ ہوں لفظ فصیح اور زباں ٹکسالی
ہاں مگر کیجئے کچھ عشق کا غیروں کے بیاں
لائیے باغ سے اوروں کے لگا کر ڈالی

کھینچئے وصلِ صنم کی کبھی فرضی تصویر
کیجئے دردِ جدائی کی کبھی نقالی
تا کہ بھڑکائے جو اُن کے دل آتش کی طرح
وہ ہوا جس سے وہ داغ اپنا ہوا ہے خالی
پر یہ ڈر ہے کہیں اپنی بھی وہی ہو نہ مثل
قحبہ چوں پیر شود پیشہ کند دلالی

نکتہ چینی

باپ نے بیٹے کو سمجھایا کہ علم و فضل میں
جس طرح بن آئے بیٹا نام پیدا کیجئے
کیجئے تصنیف اور تالیف میں سعئی بلیغ
اس میں ایک اپنا پسینہ اور لہو کر دیجئے
دیکھئے معنے کے نظم و نثر میں دریا بہا

اور سخن کی داد ہر پیر و جواں سے لیجئے
اور نہ ہو گر شعر و انشا کی لیاقت آپ میں
شاعروں اور منشیوں پر نکتہ چینی کیجئے

سیّد احمد خاں کی تکفیر

مختلف اقوال ہیں اسلام کی تعریف میں
بعض کے نزدیک توحید اس کا حدّ نام ہے
ہے مگر جمہور کے نزدیک یہ مردود قول
جو ہیں قائل اس کے اُن پر کفر کا الزام ہے
کیوں کہ اس سے ماننا پڑتا ہے اس رحمت کو عام
جس سے غیر از اہلِ قبلہ بہرہ ور ناکام ہے
بعض کہتے ہیں کہ شر سے تیرے سب ایمن رہیں
بس مسلمانی و دینداری اسی کا نام ہے
پر یہ حد بھی جامع و مانع نہیں عند الفحول
کہتے ہیں اسلام جو سمجھے اُسے وہ خام ہے
ایمنی کا مستحق ہے خاص کر اپنا گروہ

اور سب کا لفظ یار اغیار سب کو عام ہے

بعض کہتے ہیں شعار اسلامیوں کا ہے لباس
جو لباس غیر پہنے خارج از اسلام ہے
بعض بتلاتے ہیں کچھ اور بعض فرماتے ہیں کچھ
حصر کرنا ان تمام آرا کو مشکل کام ہے
مذہب منصور ہے لیکن بیاں کرنا ضرور
جو مسلم آج کل نزدیکِ خاص و عام ہے
اہلِ حل و عقد ہیں اب متفق اس رائے پر
سید احمد خاں کو کافر جاننا اسلام ہے

قرض لے کر حج کو جانے کی ضرورت

قریب موسم حج قرض لے کے اک دیندار
چلا بہ نیت حج گھر سے سوئے بیت اللہ
کہا یہ اس سے اک آزاد نے کہ اے حضرت
کیا ہے آپ کو شارع نے جبر یا اکراہ
کہ جو قرض لے کے چلے ہیں حضور سوئے حجاز

وطن میں چھوڑ کے اطفال کو بحالِ تباہ
نہ نان نفقۂ فرزند و زن سے خاطر خواہ
نہ زاد و راحلہ کا ساز و برگ خاطر خواہ

سنا یہ۔ اور بہت ترش ہو کے فرمایا
کہ روکتا ہے مسلمان کو حج سے اے گمراہ

وہ بادشاہ کہ جو دشمنوں کو دیتا ہے
نگین و خاتم و طبل و نشانِ تخت و کلاہ

خبر نہ لے گا وہ کیا اپنے میہمانوں کی،
پہنچتے جو کہ ہیں طے کر کے برّ و بحر کی راہ

جنہیں فراغت و تنگی میں ہے انہی سے امید
جنہیں سلامت و آفت میں ہے انہی سے پناہ

وہ سن کے بولا کہ ناخواندہ میہمانوں کو
اُمید لطف کی رکھنی ہے نیز یاں سے گناہ

ذلیل ہوتے ہیں جو بن بلائے جاتے ہیں
طفیلیوں کی نہیں دعوتوں میں عزت و جاہ

یہ سن کے شیخ نے دیکھا اِدھر اُدھر کہ کہیں
ہو مدعی نہ تجسس میں یاں کوئی ہمراہ

بُلا کے پاس پھر آہستہ اس سے فرمایا
ابھی زمانہ کی چالوں سے تو نہیں آگاہ
قدم پہنچتے جہاں تک ہیں پختہ کاروں کے
جوانِ خام کی واں تک نہیں پہنچتی نگاہ

خدا کے حکم ہیں جتنے تمام حکمت پر
فتوح جن میں ہے دنیا و دیں کی خاطر خواہ
نماز روزہ ہو یا ہو طواف و عُمرہ و حج
حصول جیسے کہ ہوتا ہے ان سے قربِ اِلٰہ

اسی طرح یہ وسیلے معاش کے ہیں تمام
نہ جن میں چاہئے محنت نہ کوششِ جاں کاہ
مگر سلیقہ و تدبیر شرط ہے ورنہ
ہزاروں پھرتے ہیں محتاج سادہ لوح تباہ

یہ کہنے سننے کی باتیں نہیں ہیں برخوردار
وگرنہ علمِ معیشت نہ سیکھ ہے واللہ

سیّد احمد خان کی مخالفت کی وجہ

سید احمد خان کے اک منکر سے یہ پوچھا کہ آپ
کس لئے سید سے صاف اے حضرت والا نہیں

کافر و ملحد ہمیشہ اس کو ٹھہراتے ہیں آپ
ثابت اسلام اُس کا نزدیک آپکے گویا نہیں

آپ بھی (نام خدا) ہیں تارک صوم و صلوٰۃ
اور سلوک اسلام سے خود آپ کا اچھا نہیں

خود نبوت پر سنے ہیں ہم نے ایراد آپکے
اور الوہیت سے بھی دل جمع حضرت کا نہیں

چشم بد دور آپ کا بھی جب کہ مشرب ہے وسیع
پھر یہ سیّد پر تبرّا آپ کو زیبا نہیں

سُن کے فرمایا۔ "اگر ہو پوچھتے انصاف سے
بات یہ ہے، سُن لو صاحب تم سے کچھ پردہ نہیں

رنج کچھ اس کا نہیں مجھ کو کہ وہ ایسا ہے کیوں
بلکہ ساری کوفت ہے اس کی کہیں ویسا نہیں"

دِلّی کی شاعری کا تنزل

اک دوست نے حالی کے کہا ازراہ انصاف
"کرتے ہیں پسند اہلِ زباں اس کے سخن کو"
چند اہل زباں جن کو کہ دعویٰ تھا سخن کا
"بولے کہ نہیں جانتے تم شعر کے فن کو"

شاعر کو یہ لازم ہے کہ ہو اہل زباں سے
ہو چھو نہ گئی غیر زباں اس کے دہن کو
معلوم ہے حالیؔ کا جو ہے مولد و منشا
اُردو سے بھلا واسطہ حضرت کے وطن کو

اُردو کے دھنی وہ ہیں جو دلی کے ہیں روڑے
پنجاب کو مس اس سے نہ پورب نہ دکن کو
بلبل ہی کو معلوم ہیں انداز چمن کے
کیا عالمِ گلشن کی خبر زاغ و زغن کو

حالیؔ کی زباں گر بمثل نہر لبن ہو
خالص نہ ہو تو کیجئے کیا لے کے لبن کو
ہر چند کہ صنعت سے بنائے کوئی نافہ

پہنچے گا نہ وہ نافۂ آہوئے ختن کو

مانا کہ ہے بے ساختہ پن اس کے بیان میں
کیا پھونکئے اس ساختہ بے ساختہ پن کو

یہ دوست نے حالی کی سنی جب کہ تعلّی
حق کہنے سے وہ رکھ نہ سکا باز دہن کو

کچھ شعر تھے یاد اُن کے پڑھے اور یہ پوچھا
کیوں صاحبو عزت اسی اُردو سے ہے جن کو

سچ یہ ہے کہ جب شعر ہوں سرکار کے ایسے
کیوں آپ لگے ماننے حالی کے سخن کو

حالی کو تو بدنام کیا اُس کے وطن نے
پر آپ نے بدنام کیا اپنے وطن کو

سیّد احمد خان کی تصانیف کی تردید

اِک مولوی کہ تنگ بہت تھا معاش سے
برسوں رہا تلاش میں وجہ معاش کی
وہ شہر شہر نوکری کی دُھن میں پھرا

لیکن نہ اس کے ہاتھ کہیں نوکری لگی

اخبار بھی نکال کے بخت آزمائی کی

تدبیر یہ بھی اس کی نہ تقدیر سے چلی

روزی کی خاطر اس نے کیئے سینکڑوں جتن

بر - کی کہیں نصیب نے اس کی نہ یاوری

راہ طلب میں جب ہوئی سرگشتگی بہت

اک خضر پے خجستہ نے کی آکے رہبری

جھک کر کہا یہ کان میں اس کے کہ آج کل

سُنتا ہوں چھپ رہی ہے تصانیف احمدی

جا اور لفظ بلفظ کو اس کے چھیڑ کر

تردید اس کی چھاپ دے جو ہو بُری بھلی

پھر دیکھنا کہ راس وچپ وگرد و پیش سے

گلتی ہے کیسی آکے زر و سیم کی جھڑی

دنیا طلب کو چاہیئے ابلہ فریب ہو

دنیا پہ جب تلک کہ مسلط ہے ابلہی

لائق آدمی دوست اور دشمن دونوں سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں

قول اک حکیم کا ہے کہ "گر غور کیجیے،
ہے حق میں سب کے دوست سے دشمن مفید تر

اول تو سوجھتا ہی نہیں عیب دوست کو
اور سوجھتا ہے تو نہیں لاتا زبان پر

پر ایک بار دشمن اگر دیکھ پائے عیب
سو سو طرح سے وہ اُسے کرتا ہے جلوہ گر

اور دوست سے زیادہ نہیں کوئی بدسگال
رکھتا ہے جو کہ دوست کے عیب اُن سے مستتر"

گو قول ہے متین پہ جو تھی سخن کی تہہ
افسوس ہے حکیم کی پہنچی نہ واں نظر

دشمن کے جو کہ طعن سے ہوتے ہیں مستفید
عیب ان کے دوست کیوں نہ جتائیں گے بے خطر

اور جو کہ دوست سے نہیں سن سکتے اپنے عیب
وہ دشمنوں کے طعن سے کیا ہوں گے بہرہ ور

جن کو خدا نے جوہرِ قابل دیا ہے یہاں
موقوف عبرت ان کی نہ دشمن نہ دوست پر

عقل اور نفس کی گفتگو

نفس کو عقل نے چاہا کہ کرے خوار و زبوں
اپنے دعوٰی پہ بیاں کر کے دلیل و برہاں
کہا اے نفس نہیں تجھ میں مآل اندیشی
درد ہیں تیرے اسی واسطے سب بے درماں

ہے غنیمت تجھے وہ رات کی دم بھر کی خوشی
جس کا آتا ہے نظر پیشتر از صبح زیاں
سود سے کچھ تجھے رغبت نہ زیاں سے پرہیز
تیرے نزدیک ہے درد اور دوا سب یکساں

نہیں غفلت میں تجھے دیں نہ دنیا کی خبر
یہ بھی ہے نیند کوئی موت کا ہے جس پہ گماں
نہ جوانی میں تجھے صبر نہ پیری میں شکیب
کبھی ہوتا نہیں کم تیری خودی کا طوفاں

کہیں جائے نہ بھٹک منزلِ مقصود سے تو
دیکھ جاتا ہے کدھر اور تجھے جانا ہے کہاں
ہاتھ دھو لذتِ فانی سے۔ نہیں گر منظور
عیش باقی و حیاتِ ابدی سے حرماں
نفس نے عقل سے کی عرض کہ اے خضرِ طریق
وعظ پر تیرے ہے زیبا کہ فدا کیجئے جان
پر نہیں حکم ترا کوئی عمل کے قابل
گو کہ حکمت سے بھرا تیرا سراسر ہے بیاں
نقد کو چھوڑنا اور نسیہ کی رکھنی اُمید
کوئی تسلیم کرے گا نہ اسے جز ناداں
ہے یہ اک گھڑی لذتِ فانی وہ بلا
سو حیاتیں ابدی تیری ہیں جس پر قرباں
ایک اب بھوکے سے کہتا ہے کہ بیٹا ہے طعام
ایک دعوا سے کرتا ہے پس از سال رواں
کیوں کہ اُمید پہ اک مائدہ نعمت کی
سال بھر صبر کرے گرسنگی میں انساں
عقل نے سُن کے کہا خوف ہے تجھ سے اے نفس

جذبۂ تیرا تجھے دیکھئے پہنچائے کہاں

حق کے پیرایہ میں ہوتا نہیں باطل سرسبز
کیجئے لاکھ بیان اس پہ دلیل و برہاں

جاں بلب بھوک سے ہو گرسنہ بالفرض اگر
زہر دانستہ کرے نوش نہیں یہ امکاں
نہ کہیں بھوک میں کھا بیٹھیو یہ لقمۂ نقد
اس کے کھانے میں نہیں جان کی خیر اے ناداں

شعرا کو سلطنت میں دخل دینا

سنتے ہیں یہ اک مدبر کی ہے رائے
"چاہئے گر رونقِ علم زباں
شاعروں کو سلطنت کا کیجئے رکن
جن پہ اس کی سب دکانیں ہیں عیاں"
رائے صائب ہے بظاہر اور متین
گو کیا اس کا نہیں کچھ امتحاں
شعر و انشا کو تو ہو شاید فروغ
ہے بہت کم بر خلاف اس کے گماں
سلطنت کا پر خدا حافظ ہے جب
شاعروں کے ہاتھ ہو اس کی عناں
اور جو دو شاعر ہیں ہندوستان کے
شعر و انشا کو بھی ہے خوف زیاں
ایک پر ان میں سے چل سکتا نہیں
دوسرے کا جادوئے حسنِ بیاں

ایک جب چلنے نہ دے گا ایک کی
پھر ترقی شعر و انشا کی کہاں

شائستہ لوگوں کا برتاؤ سائل کے ساتھ

عادت تھی اک فقیر کی کرتا تھا جب سوال
انگریز کے سوا نہ کسی سے تھا مانگتا

مدت تک اس کی جب یہی دیکھی گئی روش
پوچھا کسی نے اُس سے کہ اس کا سبب ہے کیا

بولا کہ عادت اس لیے کی ہے یہ اختیار
چھٹ جائے تا کہ مجھ سے یہ لپکا سوال کا

پہلے جو بھاگوانوں سے ملتی تھی روز بھیک
آتا تھا مانگنے میں بہت بھیک کے مزا

پر جب سے ہے سوال کا اس قوم پر مدار
منت سے عجز سے کبھی ملتا نہیں ٹکا

اُمید ہے کہ مانگنے کی چھوٹ جائے لت
گر چند روز اور رہا ان سے سابقہ

آیا جواب سُن کے یہ اس کا بہت پسند
کی آفریں اور اُس سے مخاطب نے یوں کہا
نیٹو ہیں جو کہ مُلک میں تعلیم یافتہ
حق میں ترے مفید ہیں یہ اُن سے بھی سوا
انگریز اگرچہ ہندیوں کے حق میں ہیں بخیل
اہلِ وطن پہ اُن کی مگر جان ہے فدا
پر۔ جو کہ دیسیوں میں ہیں تعلیم یافتہ
دِل بھائیوں پہ بھی نہیں اُن کا پسیجتا
انگریز اتنے اجنبیوں سے نہیں نفور
جتنے کہ یہ عزیز عزیزوں سے ہیں خفا
الغرض یہ کاٹنے کو دوڑتے ہیں یہ
شائستگی کا زہر ہے جب سے انہیں چڑھا

خودستائی

اے دل بشر وہ کون ہے جو خودستا نہیں
پر۔ خودستائیوں کے ہیں عنواں جُدا جُدا

جو زیور خرد سے معرّا ہیں سادہ لوح
کرتے ہیں خوبیاں وہ بیاں اپنی برملا
جو اُن سے تیز ہوش ہیں سو سو طرح سے وہ
پردوں میں کرتے ہیں اسی مضمون کو ادا
کہتا ہے ایک کیسی حماقت ہوئی ہے آج
کمبل تھا ایک گھر میں سو سائل کو دے دیا
کہتا ہے دوسرا کہ گیا ہو کے منفعل،
سائل کی ڈب میں میں نے دیا مال جیب کھا
پردے میں زیرکی کے چھپاتا ہے بخل یہ
اور بن کے بے وقوف جتاتا ہے وہ سخا
کچھ اس لئے کہ ہم بھی انہیں میں سے ہوں شمار
اہلِ وطن کی اپنے بہت کرتے ہیں ثنا
کچھ اس لئے کہ اپنا ہو انصاف آشکار
کرتے ہیں اپنی قوم کی تنقیص جابجا
کہتا ہے ایک لاکھ نہ مانے بُرا کوئی،
ہے عیب صاف گوئی کا ہم میں بہت بڑا
کہتا ہے ایک گو ہے خوشامد کا اور ہی

پر چلتے آدمی کو ہیں کہہ کہہ کے ہم بُرا

دھوکا ہنر کا دے کے چھپاتا ہے عیب یہ
اور منہ سے درد کہہ کے دکھاتا ہے وہ صفا

چپ چاپ سن رہا ہے کوئی اپنی خوبیاں
یعنے کہ یہ بیان ہے سب راست اور بجا

کہتا ہے اِس پہ کوئی کہ سب حسنِ ظن ہے یہ
اس خاکسار کو جو دیا تم نے یوں بڑھا

قانع ہے وہ انہیں پہ ہوئے وصف خوبیاں
اور چاہتا ہے یہ کہ ہو تعریف کچھ سوا

کہتا ہے زید۔ عمرو ہے شدت سے سادہ لوح
گنتا ہے سب کو نیک وہ ۔ اچھا ہو یا بُرا
کہتا ہے عمرو ۔ زید بھی گنتا ہے عیب ہیں
بد ہو کہ نیک اس کی زباں سے نہیں بچا

یہ اُس کا اور وہ اس کا بیاں کرکے کوئی عیب
ہر اک ہے اپنی بڑائی نکالتا ،
غنیمت اُمید ہے کہ نہوتی جہاں میں
ہوتا اگر یہ خاک کا پتلا نہ خود ستا

حالی جو بتر سے کھول رہے ہیں جہان کے
شاید کہ اس سے آپ کا ہوگا یہ مدعا
یعنی کہ لاکھ پردوں میں کوئی چھپائے عیب
اپنی نظر سے رہ نہیں سکتا کوئی بچا
القصہ جس کو دیکھئے جاہل ہو یا حکیم
آزار میں خودی کے ہے بے چارہ مبتلا

جس قوم میں افلاس ہو اس میں بخل اتنا برا نہیں جتنا اسراف

حالی سے کہا ہم نے کہ ہے اس کا سبب کیا
جب کرتے ہو تم کرتے ہو مسرف کی مذمت
لیکن بخلاف آپ کے سب اگلے سخنور
جب کرتے تھے کرتے تھے بخیلوں کو ملامت
اسراف بھی مذموم ہے پر بخل سے کمتر
ہے جس سے کہ انسان کو بالطبع عداوت
حالی نے کہا رو کے نہ پوچھو سبب اس کا

یاروں کے لئے ہے یہ بیاں موجب رقت

کرتے تھے بخیلوں کو ملامت سلف اس وقت

جب قوم میں افراط سے تھی دولت و ثروت

وہ جانتے تھے قوم ہو جس وقت تونگر

پھر اس میں نہیں بخل سے بدتر کوئی خصلت

اور اب کہ نہ دولت ہے نہ ثروت ہے نہ اقبال

گھر گھر یہ ہے چھایا ہوا افلاس و فلاکت

ترغیب سخاوت کی ہے اب یہ قوم کو ایسی

پرواز کی ہے جیونٹیوں کو جیسے ہدایت

برکتِ اتفاق

کہہ رہا تھا یہ اک آزاد کہ ہے جن میں ملاپ

دولت و بخت ہے ہر حال میں ان کے ہمراہ

نہ انہیں حاجتِ اعوان، نہ تلاشِ انصار

نہ انہیں خوفِ بداندیش نہ بیمِ بدخواہ

پر نہیں رابطہ جس قوم میں اور یکجہتی

اُس کی دنیا سے یہ سمجھو کہ گئی عزت وجاہ

نہ ملاذ ان کے لئے قلعہ نہ خندق نہ فصیل
نہ مفید ان کے لئے فوج نہ لشکر نہ سپاہ

ایک مُلّا نے سنا جب یہ سخن فرمایا
تکیہ اور اِس قدر اسباب یہ کرنا ہے گناہ

اِتفاق اور نفاق اصل میں کچھ چیز نہیں
دستِ قدرت کے ہے سب ہاتھ سفید اور سیاہ

واں نہ ملّت کی ضرورت ہے نہ کچھ پھوٹ کا ڈر
پڑ گئی فضل کی مولا کے جدھر ایک نگاہ

کہا آزاد نے سچ ہے کہ وہ دے ساتھ اگر
کر دیں افراد پراگندہ جماعت کو تباہ

پر مجھے خوب ہے اللہ کی عادت معلوم
اُس کو جب دیکھا ہے دیکھا ہے جتھوں کے ہمراہ

بے اعتدالی

تم اے خود پرستو طبیعت کے بندو
ذرا وصف اپنے سنو کان دھر کے
نہیں کام کا تم کو اندازہ ہرگز
جدھر ڈھل گئے ہو رہے بس ادھر کے

جو گانے بجانے پہ آئی طبیعت
تو چیخ اٹھے دو دن میں ہمسایہ گھر کے
جو مجرے میں بیٹھو تو اٹھو نہ جب تک
کہ اٹھ جائیں ساتھی سب ایک ایک کرکے

اگر پل پڑے چوسر اور گنجفہ پر
تو فرصت نہ لے شاید اب تم کو مر کے
پڑا مرغ بازی کا لپکا تو جانو
کہ بس ٹھن گئے عزم جنگ تتر کے

چڑھا بھوت عشق و جوانی کا سر پر
تو پھر گھاٹ کے آپ ہیں اور نہ گھر کے
جو ہے تم کو کھانے کا چسکا تو سمجھو

کہ چھوڑیں گے اب آپ دوزخ کو بھر کے

جو پینے پہ آؤ تو پی جاؤ ٹنکی

رہیں پاؤں کے ہوش جس دم نہ سر کے

جو کھانا تو بے حد جو پینا تو انت گت

غرض یہ کہ سرکار ہیں پیٹ بھر کے

قوم کی پاس داری

اک مسلمان خاص انگریزوں پہ تھا یوں نکتہ چیں

پاس ان لوگوں کو اپنی قوم کا ہے کس قدر

چاہتے ہیں نفع پہنچے اپنے اہلِ ملک کو

گو کہ ان کے نفع میں ہو ایک عالم کو ضرر

کارخانہ کا یہاں کے کبھی چاقو نہ لیں

اس کا بیچارہ ہندی بیچنے والا اگر

خوردنی چیزیں جو یاں سے لینی پڑتی ہیں انہیں

ان کو لندن سے منگائیں بس چلے ان کا اگر

الغرض اہلِ وطن کی پاسداری کو یہ لوگ

جانتے ہیں دین و ایمان اپنا قصہ مختصر
شعر کے حالی نے کہا تھا حصر انگریزوں پر کیا
ایک سے ہے ایک قوم اس عیب میں آلودہ تر

ہیں محبت میں سب اندھے اپنی اپنی قوم کے
یہ وہ خصلت ہے کہ مجبول اس پہ ہے طبع بشر
کمیاں جتنی نکل جاتے ہیں پاس قوم میں
اچھے اچھے راست باز اور حق پسند اور دادگر

ال، بری اس عیب سے لے کہ اس دنیا میں ہے
چشم بد دور امت مرحوم اے جان پدر
اور قوموں سے انہیں لوگوں کو ہے امتیاز
حملہ جب کرتے ہیں یہ کرتے ہیں اپنی قوم پر
ہوگا خوف ایسا نہ دشمن سے کسی دشمن کو یاں
جس قدر ہے ان سے اپنوں اور بیگانوں کا خطر

غزلیات

۱

کامل ہے جو ازل سے وہ ہے کمال تیرا
باقی ہے جو ابد تک وہ ہے جلال تیرا

ہے عارفوں کو حیرت اور منکروں کو سکتہ
ہر دل پہ چھا رہا ہے رعبِ جمال تیرا

کاوش میں ہے الٰہی ہر گدا میں ہے طبیعی
جو حل ہوا نہ ہوگا وہ ہے سوال تیرا

چھوٹے ہوئے ہیں گو جی پہ دل بندھے ہوئے ہیں
ملنے سے بھی سوا ہے چھٹنا محال تیرا

گو حکم تیرے لاکھوں یاں ٹالتے رہے ہیں
لیکن ٹلا نہ ہرگز دل سے خیال تیرا

پھندے سے تیرے کیوں کر جائے نکل کے کوئی
پھیلا ہوا ہے ہر سو عالم میں جال تیرا

اُن کی نظر میں شوکت جچتی نہیں کسی کی
آنکھوں میں بس رہا ہے جن کے جلال تیرا

دل ہو کہ جان تجھ سے کیوں کر عزیز رکھئے

دل ہے سو چیز تیری جاں ہے سو مال تیرا

ہے پر زوال سے دل اس کا قوی زیادہ
رکھتی ہے آسرا یاں جو پیرہ زال تیرا

ہے پاس دوستوں کے تیری یہی نشانی
یارب کبھی نہ پائے زخم اندمال تیرا

بیگانگی میں حالیؔ یہ رنگ آشنائی
سن سن کے سر دھنیں گے قال اہل حال تیرا

۲-

اے عشق تو نے اکثر قوموں کو کھا کے چھوڑا
جس گھر سے سر اٹھایا اس کو بٹھا کے چھوڑا

ابرار تجھ سے ترساں احرار تجھ سے لرزاں
جو زد پہ تیرے آیا اس کو گرا کے چھوڑا

رایوں کے راج چھینے شاہوں کے تاج چھینے
گردن کشوں کو اکثر نیچا دکھا کے چھوڑا

کیا منعموں کی دولت کیا زاہدوں کا تقویٰ
جو گنج تو نے تاکا اس کو لٹا کے چھوڑا

جس رہگذر میں بیٹھا تو غول راہ بن کر

صنعاں سے راست رو کو رستہ بُھلا کے چھوڑا

فرہاد کوہکن کی لی تو نے جان شیریں
اور قیس عامری کو مجنوں بنا کے چھوڑا

یعقوبؑ سے بشر کو دی تُو نے ناصبوری
یوسفؑ سے پارسا پر بہتان لگا کے چھوڑا

لاگ اور لگاؤ دونو ہیں دل گداز تیرے
پتھر کے دل تھے جن کے اُن کو رُلا کے چھوڑا

عقل و خرد نے تجھ سے کچھ چپقلش جہاں کی
عقل و خرد کا تو نے خاکا اُڑا کے چھوڑا

عِلم ادب رہے ہیں دلبے ترے ہمیشہ
ہر معرکے میں تُو نے اُن کو دلا کے چھوڑا

افسانہ تیرا رنگیں روداد تیری دلکش
شعر و سخن کو تو نے جادو بنا کے چھوڑا

اک دسترس سے تیری حالی بچا ہوا تھا
اُس کے بھی دل پہ آخر چرکا لگا کے چھوڑا

---

۳ -

وہ دل ہے شگفتہ نہ وہ بازو ہیں توانا

پہنچا ہی بس اب کوچ کا تم سمجھو زمانا
خود مہر وطن سے ہے وداع اب کے سفر میں
جانا ہے وہاں پھر کے جہاں سے نہیں آنا

دلّی سے نکلتے ہی ہوا جینے سے دل سیر
گویا نہ رہا اب کہیں دنیا میں ٹھکانا
یارب طلب وصل ہو یا ہو طرب وصل
جس دن کہ یہ دونوں نہوں وہ دن نہ دکھانا

دنیا کی حقیقت نہیں جز حسرت و حرماں
چھل بل میں تم اس زالِ فسوں گر کی نہ آنا
افسوس کہ غفلت میں کٹا عہد جوانی
تھا آبِ بقا گھر میں مگر ہم نے نہ جانا
یاروں کو ہمیں دیکھ کے عبرت نہیں ہوتی
اب واقعہ سب اپنا پڑا ہم کو سُنانا
دنیا میں اگر ہے بھی فراغت کا کوئی دن
وہ دن ہے کہ جس دن ہے اسے چھوڑ کے جانا

لی ہوش میں آنے کی جو ساقی سے اجازت
فرمایا خبردار کہ نازک ہے زمانا

ڈھارس سی کچھ اے ہم قدمو تم سے بندھی ہے
حالی کو کہیں راہ میں تم چھوڑ نہ جانا

۴-

جہاں میں حالی کسی پہ اپنے سوا بھروسا نہ کیجئے گا
یہ بھید ہے اپنی زندگی کا بس اس کا چرچا نہ کیجئے گا

ہو لاکھ غیروں کا غیر کوئی نہ جاننا اس کو غیر ہرگز
جو اپنا سایہ بھی ہو تو اس کو تصور اپنا نہ کیجئے گا

سنا ہے صوفی کا قول ہے یہ کہ ہے طریقت میں کفر دعویٰ
یہ کہہ دو دعویٰ بہت بڑا ہے پھر ایسا دعویٰ نہ کیجئے گا

اسی میں ہے خیر حضرتِ دل کہ یار بھولا ہوا ہے ہم کو
کرے وہ یاد اس کی بھول کر بھی کبھی تمنا نہ کیجئے گا

کہے اگر کوئی تم کو واعظ! کہ کہتے کچھ اور کرتے ہو کچھ
زمانہ کی خو ہے نکتہ چینی کچھ اس کی پروا نہ کیجئے گا

کمال ہے ضدِ بے کمالی نہیں ملاپ ان میں حرف گیرو
جو ہم پہ کچھ چوٹ کیجئے گا تو آپ بیجا نہ کیجئے گا

لگاؤ تم میں نہ لاگ زاہد نہ دردِ الفت کی آگ زاہد
پھر اور کیا کیجئے گا آخر جو ترکِ دنیا نہ کیجئے گا

تمہارا تھا دوست دارِ حالی اور اپنے بیگانہ کا رضا جو
سلوک اُس سے کئے یہ تم نے تو ہم سے کیا کیا نہ کیجئے گا

۵

نفس دعوائے بے گناہی کا سدا کرتا رہا
گرچہ اُترے جی سے دل اکثر ابا کرتا رہا

حق نے احساں میں نہ کی اور میں نے کفراں میں کمی
وہ عطا کرتا رہا، اور میں خطا کرتا رہا

چوریوں سے دیدہ و دل کی نہ شرمایا کبھی
چپکے چپکے نفس خائن کا کہا کرتا رہا

طاعتوں کی زد سے بچ بچ کر چلا راہ خطا
وار اُن کا اس لئے اکثر خطا کرتا رہا

نفس میں جو ناروا خواہش ہوئی پیدا کبھی
اُس کو حیلے دل سے گھڑ گھڑ کر ادا کرتا رہا

منہ نہ دیکھیں دوست پھر میرا اگر جانیں کہ میں
اُن سے کیا کہتا رہا، اور آپ کیا کرتا رہا

تھا نہ استحقاقِ تحسین پر سُنی تحسین سدا
حق ہے جو دوں ہمتی کا وہ ادا کرتا رہا

شہرت اپنی جس قدر بڑھتی گئی آفاق میں،
کبرِ نفس اتنا ہی یاں نشو نما کرتا رہا

ایک عالم سے وفا کی تو نے اے حالی مگر
نفس پر اپنے سدا ظالم جفا کرتا رہا

-۶

دل سے خیالِ دوست بُھلایا نہ جائے گا
سینے میں داغ ہے کہ مٹایا نہ جائے گا

تم کو ہزار شرم سہی مجھکو لاکھ ضبط
اُلفت وہ راز ہے کہ چھپایا نہ جائے گا

اے دل رضائے غیر ہے شرط رضائے دوست
زنہار بارِ عشق اٹھایا نہ جائے گا

دیکھی ہیں ایسی اُن کی بہت مہربانیاں
اب ہم سے مُنہ میں موت کے جایا نہ جائے گا

مے تند و ظرفِ حوصلۂ اہلِ بزم تنگ
ساقی سے جام بھر کے پلایا نہ جائے گا

کیوں چھیڑتے ہو ذکر نہ ملنے کا رات کو
پوچھیں گے ہم سبب تو بتایا نہ جائے گا

بگڑیں نہ بات بات پہ کیوں جانتے ہیں وہ
ہم وہ نہیں کہ ہم کو منایا نہ جائے گا

ملنا ہے آپ سے تو نہیں حصرِ غیر پر
کس کس سے اختلاط بڑھایا نہ جائے گا

مقصود اپنا کچھ نہ کھلا لیکن اس قدر
یعنی وہ ڈھونڈھتے ہیں جو پایا نہ جائے گا

جھگڑوں میں اہلِ دیں کے نہ حالیؔ پڑیں بس آپ
قصہ حضور سے یہ چکایا نہ جائے گا

---

۷ -

یہ ہیں واعظ سب پہ منہ آتے ہیں آپ
ناصحِ قوم اس پہ کہلاتے ہیں آپ

بس بہت طعن و ملامت کر چکے
کیوں زباں رندوں کی کھلواتے ہیں آپ

ہے صراحی میں وہی لذت کہ جو
چڑھ کے منبر پر مزا پاتے ہیں آپ

واعظو ہے ان کو شرمانا گناہ
جو گنہ سے اپنے شرماتے ہیں آپ

کرتے ہیں اک اک کی تکفیر آپ کیوں
اس پہ بھی کچھ غور فرماتے ہیں آپ

کرتے ہیں آباد دوزخ کو حضور
خلد کو ویران کرواتے ہیں آپ

چھیڑ کر واعظ کو حالیؔ خلد سے
بسترا کیوں اپنا پھکواتے ہیں آپ

-۸

اس کے جانے ہی سے کیا ہو گئی گھر کی صورت
نہ وہ دیوار کی صورت ہے نہ در کی صورت

کس سے پیمان وفا باندھ رہی ہے بلبل
کل نہ پہچان سکے گی گل تر کی صورت

ہے غم روز جدائی نہ نشاط شب وصل
ہو گئی اور ہی کچھ شام و سحر کی صورت

اپنی جیبوں سے رہیں سارے نمازی ہشیار
اک بزرگ آتے ہیں مسجد میں خضر کی صورت

دیکھئے شیخ مصور سے کھچے یا نہ کھچے
صورت۔ اور آپ سے بے عیب بشر کی صورت

واعظو آتش دوزخ سے جہاں کو تم نے
یہ ڈرایا ہے کہ خود بن گئے ڈر کی صورت

کیا خبر زاہد قانع کو کہ کیا چیز ہے حرص
اس نے دیکھی ہی نہیں کیسۂ زر کی صورت

میں بچا تیر حوادث سے نشانہ بن کر
آڑ لے آئی مرے تسلیم سپر کی صورت

شوق میں اس کے مزا درد میں اس کے لذت

ناصحو اُس سے نہیں کوئی مفر کی صورت

حملہ اپنے پہ بھی اک بعد ہزیمت ہے ضرور
رہ گئی ہے یہی اک فتح و ظفر کی صورت

رہنماؤں کے ہوئے جاتے ہیں اوسان خطا
راہ میں کچھ نظر آتی ہے خطر کی صورت

یوں تو آیا ہے تباہی میں یہ بیڑا سو بار
پر ڈراتی ہے بہت آج بھنور کی صورت

ان کو حالی بھی بلاتے ہیں گھر اپنے مہماں
دیکھنا آپ کی اور آپ کے گھر کی صورت

۹۔

باپ کا ہے جبھی پسر وارث — ہو ہنر کا بھی اس کے گر وارث
گھر ہنرور کا ناخلف نے لیا — تیرا ہے کون اے ہنر وارث
فاتحہ ہو کہاں سے میت کی — کے لیے ڈھو کے سیم و زر وارث
ہوں اگر ذوق کسب سے آگاہ — کریں میراث سے حذر وارث
خاک و کرباسِ گور و خویش و تبار — ایک میت اور اس قدر وارث
واعظو دین کا خدا حافظ — انبیا کے ہو تم اگر وارث
قوم بے پر ہے دین بے کس ہے — گئے اسلام کے کدھر وارث

ہم پہ بیٹھے ہیں ہاتھ دھوئے حریف
جیسے مردہ کے مال پر وارث
ترکہ چھوڑا ہے کچھ اگر حالی،
کیوں ہیں میت پہ نوحہ گر وارث.

تلخیٔ دوراں کے ہیں سب شکوہ سنج
یہ بھی یاروں سے کوئی رنجوں میں رنج
رنج و شادی یاں کے ہیں سب بے ثبات
اور اگر سوچو تو شادی ہے نہ رنج
تھا قناعت میں نہاں گنج فراغ
پر نہیں بے وقت ہاتھ آیا یہ گنج
فکر و سن بڑھتے تھے شاید ساتھ ساتھ
ہیں وہ اب پنجاہ جو پہلے تھے پنج
ہم کو بھی آتا تھا ہنسنا بولنا
جب کبھی جیتے تھے ہم اے بذلہ سنج
آگئی مرگِ طبیعی ہم کو یاد
شاخ سے دیکھا جو خود گرتا ترنج
راہ اب سیدھی ہے خالی سوئے دوست
ہو چکے طے سب خم و پیچ و شکنج

---

۱۱ -

کاٹئے دن زندگی کے ان یگانوں کی طرح
جو سدا رہتے ہیں چوکس پاسبانوں کی طرح
منزل دنیا میں ہیں پا در رکاب آٹھوں پہر
رہتے ہیں مہماں سرا میں میہمانوں کی طرح

سعی سے اکتاتے اور محنت سے کتراتے نہیں
جھیلتے ہیں سختیوں کو سخت جانوں کی طرح
رسم و عادت پر ہیں کرتے عقل کو فرماں روا
نفس پر رکھتے ہیں کوڑا حکمرانوں کی طرح

شادمانی میں گزرنے اپنے آپے سے نہیں
غم میں رہتے ہیں شگفتہ شادمانوں کی طرح
رکھتے ہیں تمکیں جوانی میں بڑھاپے سے سوا
رہتے ہیں چونچال پیری میں جوانوں کی طرح
پاتے ہیں اپنوں میں غیروں سے سوا بیگانگی
پہچانتے ہیں ایک اک کا یگانوں کی طرح
آس کھیتی کے پنپنے کی انہیں ہو یا نہ ہو،
ہیں اسے پانی دئے جاتے کسانوں کی طرح
ان کے غصے میں ہے دل سوزی ملامت میں ہے پیار
مہربانی کرتے ہیں نامہربانوں کی طرح
کام سے کام اپنے ان کو. گو ہو عالم نکتہ چیں
رہتے ہیں بتیس دانتوں میں زبانوں کی طرح

طعن سن سن احمقوں کے ہنستے ہیں دیوانہ وار

دن بسر کرتے ہیں دیوانوں میں سیانوں کی طرح

کہیے کیا حالی نہ کیجے سادگی گر اختیار

بولنا آئے نہ جب رنگین بیانوں کی طرح

۱۴۔

شادی کے بعد غم ہے فقیری تمنّا کے بعد

اب خوف کے سوا ہے دھرا کیا رجا کے بعد

ہے سامنا بلا کا پس از عافیت ضرور

ہوتی ہے عافیت کی توقع بلا کے بعد

تعزیر جُرم عشق ہے بے صرفہ محتسب

بڑھتا ہے اور ذوقِ گنہ یاں سزا کے بعد

گر دردِ دل سے پائی بھی اے چارہ گر شفا

آتی ہے دل کی موت نظر اس شفا کے بعد

یادِ خدا میں جب نہ گئی دل سے اس کی یاد

آگے خدا کا نام ہے ناصح خُدا کے بعد

کرتے رہے خطائیں ندامت کے بعد ہم

ہوتی رہی ہمیشہ ندامت خطا کے بعد

آخر کو ماننا پڑا اے نفسِ خیرہ سر

تیرا ہی حکم گر نہیں حکم قضا کے بعد

مدت سے تھی دعا کہ ہوں بدنام شہر شہر
بارے ہوئی قبول بہت التجا کے بعد

حالی کی سن لو اور دعائیں جگر خراش
دلکش صدا سنو گے نہ پھر اس صدا کے بعد

۱۳-

کرتے ہیں سو سو طرح سے جلوہ گر — ایک ہوتا ہے اگر ہم میں ہنر
جانتے ہیں آپ کو پرہیزگار — عیب کوئی کر نہیں سکتے اگر
دوست اسکے ہیں نہ اسکے آشنا — گر بظاہر سب کے ہیں شیر و شکر
خصلتیں روباہ کی رکھتے ہیں ہم — گو دکھاتے آپ کو ہیں شیر نر
اپنی نیکی کا دلاتے ہیں یقین — کرتے ہیں نفرت بدی سے جس قدر
کرنی پڑتی ہے کسی کی مدح جب — کرتے ہیں تقریر اکثر مختصر
گر کسی کا عیب سن پاتے ہیں ہم — کرتے ہیں رسوا اسے دل کھول کر
کی نہیں جس نے کبھی کوئی بدی — شکر کے ہیں اس سے خواہاں عمر بھر
ایک رنجش میں بھلا دیتے ہیں سب — ہو کسی کے ہم پہ لاکھوں احسان اگر
عیب کچھ گنتے نہیں اس عیب کو — جس سے ہوں اپنے سوا سب بے خبر
خیر کا ہوتا ہے ظن غالب جہاں — کھینچ کر لاتے ہیں اس کو سوئے شر

بنتے ہیں یاروں کے ناصح تاکہ ہو   عیب ان کا ظاہر اور اپنا ہنر
دوست اک عالم کے پر مطلب کے دوست   ایسے یاروں سے حذر یارو حذر

عیب حالیؔ اپنے یوں کہتا ہے کون
خواہشِ تحسین ہے حضرت کو مگر

۱۴-

جیتے جی موت کے تم منہ میں نہ جانا ہرگز
دوستو دل نہ لگانا نہ لگانا ہرگز

عشق بھی تاک میں بیٹھا ہے نظر بازوں کی
دیکھنا شیر سے آنکھیں نہ ملانا ہرگز

زال کی پہلی ہی رستم کو نصیحت یہ تھی،
زد میں تیرِ صفِ مژگاں کی نہ جانا ہرگز

چاہت اک طلعت مکروہ ہے برقع میں نہاں
کسی دلالہ کے دھوکے میں نہ آنا ہرگز

ہاتھ ملتے نہ ہوں پیری میں اگر حسرت سے
تو جوانی میں نہ یہ روگ بسانا ہرگز

جتنے رستے تھے ترے ہوگئے ویراں اے عشق
آ کے ویرانوں میں اب گھر نہ بسانا ہرگز

کوچ سب کر گئے دلّی سے ترے قدر شناس
قدریاں رہ کے اب اپنی نہ گنوانا ہرگز
تذکرہ دہلیٔ مرحوم کا اے دوست نہ چھیڑ
نہ سنا جائے گا ہم سے یہ فسانہ ہرگز

داستاں گُل کی خزاں میں نہ سنا اے بلبل
ہنستے ہنستے ہمیں ظالم نہ رُلانا ہرگز
ڈھونڈھتا ہے دلِ شوریدہ بہانے مطرب
درد انگیز غزل کوئی نہ گانا ہرگز

صحبتیں اگلی مصوّر ہمیں یاد آئیں گی
کوئی دلچسپ مرقع نہ دکھانا ہرگز
موج زن دل میں ہیں یاں خون کے دریا اے چشم
دیکھنا ابر سے آنکھیں نہ چرانا ہرگز

لے کے داغ آئے گا سینے پہ بہت اے سیّاح
دیکھ اس شہر کے کھنڈروں میں نہ جانا ہرگز
چپّے چپّے پہ ہیں یاں گوہرِ یکتا تہ خاک
دفن ہوگا کہیں اتنا نہ خزانہ ہرگز

مٹ گئے تیرے مٹانے کے نشاں بھی اب تو

اے فلک اس سے زیادہ نہ مٹانا ہرگز

وہ تو بھولے تھے ہمیں ہم بھی انہیں بھول گئے
ایسا بدلا ہے نہ بدلے گا زمانہ ہرگز

جس کو زخموں سے حوادث کے اچھوتا سمجھیں
نظر آتا نہیں ایک ایسا گھرانا ہرگز

ہم کو گر تو نے رُلایا تو رلایا اے چرخ
ہم پہ غیروں کو تو ظالم نہ ہنسانا ہرگز

یار خود روئیں گے کیا ان پہ جہاں روتا ہے
ان کی ہنستی ہوئی شکلوں پہ نہ جانا ہرگز

آخری دور میں بھی تجھ کو قسم ہے ساقی
بھر کے اک جام نہ پیاسوں کو پلانا ہرگز

بخت سوئے ہیں بہت جاگ کے اے دورِ زماں
نہ ابھی نیند کے ماتوں کو جگانا ہرگز

یاں سے رخصت ہو سبک کر اے عیش شتاب
نہیں اس دور میں یاں تیرا ٹھکانا ہرگز

کبھی اے علم و ہنر گھر تھا تمہارا دلّی
ہم کو بھولے ہو تو گھر بھول نہ جانا ہرگز

شاعری مر چکی اب زندہ نہ ہو گی یارو
یاد کر کر کے اسے جی نہ کڑھانا ھرگز

غالب و شیفتہ و نیّر و آزردہ و شوق
اب دکھائے گا یہ شکلیں نہ زمانہ ہرگز

مومن و علوی و صہبائی و ممنون کے بعد
شعر کا نام نہ لے گا کوئی دانا ھرگز

کر دیا مر کے یگانوں نے یگانہ ہم کو
ورنہ یاں کوئی نہ تھا ہم میں یگانہ ہرگز

داغ و مجروح کو سن لو کہ پھر اس گلشن میں
نہ سنے گا کوئی بلبل کا ترانہ ھرگز

رات آخر ہوئی اور بزم ہوئی زیر و زبر
اب نہ دیکھو گے کبھی لطف شبانہ ہرگز

بزم ماتم تو نہیں۔ بزم سخن ہے حالی
یاں مناسب نہیں رو رو کے رولانا ہرگز

۱۵۔

رات گزری ہو چکا دور نشاط
طے ہوئی بس اب کوئی دم میں بساط

دل سے خوشیاں ہو گئیں سب گوشہ گیر
نام تھا شاید جوانی کا نشاط

دن اب اے دل منقبض رہنے کے ہیں
ہو چکا ہونا تھا جو کچھ انبساط

غنچہ چٹکا اور آ پہنچی خزاں
فصلِ گُل کی تھی فقط اتنی بساط

زینۂ ممبر ہے لغزش کی جگہ
جانیو واعظ اسے راہِ صراط

تو بھی کھانے میں نہیں محتاط شیخ
ہم کریں پینے میں کیوں پھر احتیاط

کوچ کی حالی کرو تیاریاں
ہے قویٰ میں دم بدم اب انحطاط

۱۶-

خوبیاں اپنے میں گو بے انتہا پاتے ہیں ہم
پر ہر اک خوبی میں داغ اک عیب کا پاتے ہیں ہم

خوف کا کوئی نشاں ظاہر نہیں افعال میں
گو کہ دل میں متصل خوفِ خدا پاتے ہیں ہم

کرتے ہیں طاعت تو کچھ خواہاں نمائش کے نہیں
پر گنہ چھپ چھپ کے کرنے میں مزا پاتے ہیں ہم

دیدہ و دل کو خیانت سے نہیں رکھ سکتے باز
گرچہ دست و پا کو اکثر بے خطا پاتے ہیں ہم

دل میں دردِ عشق نے مدت سے کر رکھا ہے گھر
پر اسے آسودۂ حرص و ہوا پاتے ہیں ہم

ہو کے نادم جُرم سے پھر جرم کرتے ہیں وہی
جرم سے گو آپ کو نادم سدا پاتے ہیں ہم

ہیں فدا اُن دوستوں پر جن میں ہو صدق و صفا
پر بہت کم آپ میں صدق و صفا پاتے ہیں ہم

گو کسی کو آپ سے ہونے نہیں دیتے خفا
اِک جہان سے آپ کو لیکن خفا پاتے ہیں ہم

جانتے اپنے سوا سب کو ہیں بے مہر و وفا
اپنے میں گر شمۂ مہر و وفا پاتے ہیں ہم

بخل سے منسوب کرتے ہیں زمانے کو سدا
گر کبھی توفیق ایثار و عطا پاتے ہیں ہم

ہو اگر مقصد میں ناکامی تو کر سکتے ہیں صبر
درد خودکامی کو لیکن بے دوا پاتے ہیں ہم

ڈھونڈتے جاتے ہیں جتنے چشم عالم میں بھلے
حال نفس دوں کا اتنا ہی بُرا پاتے ہیں ہم

جس قدر جھک جھک کے ملتے ہیں بزرگ و خرد سے
کبر و ناز اتنا ہی اپنے میں سوا پاتے ہیں ہم

گو بھلائی کر کے ہم جلسوں سے خوش ہوتا ہے جی

تہ نشیں اس میں ہیں مگر در دریا پاتے ہیں ہم

ہے ردائے نیک نامی دوش پہ اپنے مگر
داغ رسوائی کے کچھ زیرِ ردا پاتے ہیں ہم

راہ کے طالب ہیں پہ بے راہ پڑتے ہیں قدم
دیکھئے کیا ڈھونڈھتے ہیں اور کیا پاتے ہیں ہم

نور کے ہم نے گلے دیکھے ہیں اے حالی مگر
رنگ کچھ تیری الاپوں میں نیا پاتے ہیں ہم

کوئی محرم نہیں ملتا جہان میں
مجھے کہنا ہے کچھ اپنی زبان میں

قفس میں جی نہیں لگتا کسی طرح
لگا دو آگ کوئی آشیان میں

کوئی دن بوالہوس بھی شاد ہو لیں
دھرا کیا ہے اشاراتِ نہان میں

کہیں انجام آ پہنچا وفا کا
گھلا جاتا ہوں اب کے امتحان میں

نیا ہے لیجئے جب نام اُس کا
بہت وسعت ہے میری داستان میں

دلِ پُر درد سے کچھ کام لوں گا
اگر فرصت ملی مجھ کو جہان میں

بہت جی خوش ہوا حالی سے مل کر
ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہان میں

۱۸-
بڑھاؤ نہ آپس میں ملّت زیادہ،
مبادا کہ ہو جائے نفرت زیادہ،
تکلف علامت ہے بیگانگی کی
نہ ڈالو تکلف کی عادت زیادہ

کرو دوستو پہلے آپ اپنی عزت
جو چاہو کریں لوگ عزت زیادہ
نکالو نہ رخنے نسب میں کسی کے
نہیں اس سے کوئی رذالت زیادہ

کرو علم سے اکتساب شرافت
نجابت سے ہے یہ شرافت زیادہ
فراغت سے دنیا میں دم بھر نہ بیٹھو
اگر چاہتے ہو فراغت زیادہ

جہاں رام ہوتا ہے میٹھی زبان سے
نہیں لگتی کچھ اس میں دولت زیادہ
مصیبت کا اک اک سے احوال کہنا
مصیبت سے ہے یہ مصیبت زیادہ

کرو خوگر کم اپنی داد و دہش کا

مبادا کہ ثابت ہو خِسّت زیادہ

بھر اوروں کی تکتے پھروگے سخاوت
بڑھاؤ نہ حد سے سخاوت زیادہ

کہیں دوست تم سے نہ ہو جائیں بدظن
جتاؤ نہ اپنی محبت زیادہ

جو چاہو فقیری میں عزت سے رہنا
نہ رکھو امیروں سے ملّت زیادہ

وہ اِفلاس اپنا چھپاتے ہیں گویا
جو دولت سے کرتے ہیں نفرت زیادہ

نہیں چھپتے عیب اپنی ثروت سے تیرے
خدا دے تجھے خواجہ ثروت زیادہ

ہے الفت بھی وحشت بھی دنیا سے لازم
یہ الفت زیادہ نہ وحشت زیادہ

فرشتہ سے بہتر ہے انسان بننا،
مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ

بکے مفت یاں ہم زمانے کے ہاتھوں
یہ دیکھا تو تھی یہ بھی قیمت زیادہ

ہوئی عمر دنیا کے دھندوں میں آخر
نہیں بس اب اے عقل مہلت زیادہ
غزل میں وہ رنگت نہیں تیرے حالی
الاپیں نہ بس آپ اُس ہرپت زیادہ

۱۹-

اتنی ہی دشوار اپنے عیب کی پہچان ہے
جس قدر کرنی ملامت اوروں کو آسان ہے
سامنا ہے موت کا ہونا محبت سے دوچار
آئے میدان میں زاہد اگر کچھ جان ہے
دیکھ اے بلبل ذرا گلبن کو آنکھیں کھول کر
پھول ہیں گر آن ہے کانٹے میں بھی اک شان ہے
عقل پھیلی پر نہ سمٹی حرص و آز انسان کی
لے خدا اب نام آدمیت کا اگر انسان ہے
چیونٹیوں میں اتحاد اور مکھیوں میں اتفاق
آدمی کا آدمی دشمن خدا کی شان ہے
تجھ میں جرأت اے شمع ہے کس برقِ عالم سوز کی
جان و دل سے تجھ پہ پروانہ جو یوں قربان ہے

دل میں حالی کے رہے باقی نہ بن ارمان کچھ
جی میں ہے کچھ اب اگر باقی تو یہ ارمان ہے

۲۰ -

جنوں کارفرما ہوا چاہتا ہے
قدم دشت پیما ہوا چاہتا ہے

دمِ گریہ کس کا تصور ہے دل میں
کہ اشک اشک دریا ہوا چاہتا ہے

خط آنے لگے شکوہ آمیز ان کے
ملاپ اُن سے گویا ہوا چاہتا ہے

بہت کام لینے تھے جس دل سے ہم کو
وہ صرفِ تمنا ہوا چاہتا ہے

ابھی لینے پائے نہیں دم جہاں میں
اجل کا تقاضا ہوا چاہتا ہے

مجھے کل کے وعدے پہ کرتے ہیں رخصت
کوئی وعدہ پورا ہوا چاہتا ہے

فزوں تر ہے کچھ ان دنوں ذوقِ عصیاں
درِ رحمت اب وا ہوا چاہتا ہے

فلک گر یہی ہے تو رازِ نہانی
کوئی دن میں رسوا ہوا چاہتا ہے

وفا شرطِ الفت ہے لیکن کہاں تک
دِل اپنا بھی تجھ سا ہوا چاہتا ہے

بہت حظ اٹھایا ہے دل تجھ سے مل کر
غلق دیکھئے کیا ہوا چاہتا ہے

غمِ رشک کو تلخ سمجھے تھے ہمدم
سو وہ بھی گوارا ہوا چاہتا ہے

بہت چین سے دن گذرتے ہیں حالی
کوئی فتنہ برپا ہوا چاہتا ہے

رباعیات

توحید

ہندو نے صنم میں جلوہ پایا تیرا
آتش پہ مغاں نے راگ گایا تیرا
دہری نے کیا دہر سے تعبیر تجھے
انکار کسی سے بن نہ آیا تیرا

ایضاً

جب لیتے ہیں گھیر تیری قدرت کا ظہور
منکر بھی پکار اٹھتے ہیں تجھ کو مجبور
خفاش کو ظلمت کی نہ سوجھی کوئی راہ
خورشید کا شش جہت میں پھیلا جب نور

نعت

بطحا کو ہوا تیری ولادت سے شرف
یثرب کو ملا تیری اقامت سے شرف
اولاد ہی کو فخر نہیں کچھ تجھ پہ
آبا کو بھی ہے تیری ابوت سے شرف

صلح کل

ہندو سے لڑیں نہ گبر سے بیر کریں
شر سے بچیں اور شر کے عوض خیر کریں
جو کہتے ہیں یہ کہ ہے جہنم دنیا
وہ آئیں اور اس بہشت کی سیر کریں

غرور سب عیبوں سے بڑا ہے

ممکن نہیں یہ کہ ہو بشریت سے دور
ہر عیب سے بچیے تا بقدر مقدور
عیب اپنے گھٹاؤ پر خبردار رہو
گھٹنے سے کہیں ان کے نہ بڑھ جائے غرور

گفتار کردار میں اختلاف

جو کرتے ہیں کچھ زباں سے کہتے ہیں وہ کم
ہوتے نہیں ساتھ جمع دم اور قدم
بڑھتا گیا جس قدر کہ حسن گفتار
بس اتنے ہی گھٹتے گئے کردار سے ہم

مُسرف کو کیوں کر فراغت حاصل ہو سکتی ہے

اک مُنعم مسرف نے یہ عابد سے کہا
کہ میرے لئے حق سے فراغت کی دعا
عابد نے کہا یہ ہاتھ اُٹھا کر سوئے چرخ
محتاج کر اس کو جلد اے بار خدا

انقلاب روزگار

بس بس کے ہزاروں گھر اجڑ جاتے ہیں
گڑ گڑ کے علم لاکھوں اُکھڑ جاتے ہیں
آج اس کی ہے نوبت تو کل اسکی باری
بن بن کے یونہیں کھیل بگڑ جاتے ہیں

جس کو زندگانی کا بھروسہ نہیں وہ کوئی بڑا کام نہیں کر سکتا

دنیائے دنی کو نقشِ فانی سمجھو
رُوداد جہاں کو اک کہانی سمجھو
پر جب کرو آغاز کوئی کام بڑا
ہر سانس کو عمر جاودانی سمجھو

مکر و ریا

خالی راہ راست جو چلتے ہیں سدا
خطرہ انہیں گرگ کا نہ ڈر شیروں کا
لیکن ان بھیڑیوں سے واجب ہے حذر
بھیڑوں کے لباس میں ہیں جو جلوہ نما

علم

اے علم کیا ہے تو نے ملکوں کو نہال
غائب ہوا تو جہاں سے وہاں آیا زوال
اُن پر ہوئے غیب کے خزانے مفتوح
حق تو یوں ہے ٹھہرایا تجھے راس المال

ایضاً

اے علم کلید گنج شادی تو ہے
سرچشمہ نعما و ایادی تو ہے
آسائش دو جہاں ہے سایہ میں ترے
دنیا کا وسیلہ دین کا ہادی تو ہے

عزت کس چیز میں ہے

دولت نے کہا مجھ سے ہے عزت ہے جہاں
فرمایا ہنر نے میں ہوں عزت کا نشاں
عزت بولی۔ غلط ہے دونوں کا بیاں
[illegible] ہوں حق کا جو ہے نیکی میں نہاں

عیش و عشرت

عشرت کا ثمر تلخ سدا ہوتا ہے
ہر قہقہہ پیغام بکا ہوتا ہے
جس قوم کو عیش دوست پاتا ہوں میں
کہتا ہوں کہ اب دیکھیے کیا ہوتا ہے

غیبت

رونق ہے ہر اک بزم کی اب غیبت میں
بدگوئی خلق ہے ہر اک صحبت میں
اوروں کی بُرائی ہی یہ ہے فخر جہاں
خوبی کوئی باقی نہیں جس امت میں

عشق

اے عشق کیا تو نے گھرانوں کو تباہ
پیروں کو خرف اور جوانوں کو تباہ
دیکھا سدا اسلامتی میں تیری
قوموں کو ذلیل خاندانوں کو تباہ

سبب زوالِ سلطنت

دیکھو جس سلطنت کی حالت درہم
سمجھو کہ وہاں ہے کوئی برکت کا قدم
یا تو کوئی بیگم ہے مشیر دولت
یا ہے کوئی مولوی وزیر اعظم

آزادگان راستباز کی تکفیر

یاروں میں نہ پایا جب کوئی عیب و گناہ
کافر کہا واعظ نے انہیں اور گمراہ
جھوٹے کو نہیں ملتی تہادت جس وقت
لاتا ہے خدا کو اپنے دعویٰ پہ گواہ

عفو باوجود قدرتِ انتقام

موسیٰ نے یہ کی عرض کہ اے بارِ خُدا
مقبول ترا کون ہے بندوں میں سوا

ارشاد ہوا بندہ ہمارا وہ ہے
جو لے سکے اور نہ لے بدی کا بدلا

محنت

محنت ہی کے پھل ہیں یاں ہر اک دامن میں
محنت ہی کی برکتیں ہیں ہر خرمن میں

موسیٰ کو ملی نہ قوم کی چوپائی
جب تک نہ چرائیں بکریاں مدین میں

تنزلِ اہلِ اسلام

پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھے
اسلام کا گر کر نہ اُبھرنا دیکھے
مانے نہ کبھی مد ہے ہر جزر کے بعد
دریا کا ہمارے جو اُترنا دیکھے

کام کرنا جان کے ساتھ ہے

ہے جان کے ساتھ کام انسان کے لئے
بنتی نہیں زندگی میں بے کام کئے
جیتے ہو تو کچھ کیجئے زندوں کی طرح
مردوں کی طرح جئے تو کیا خاک جئے

چند عیب بہت سی خوبیوں کو نہیں مٹا سکتے

موجود ہنر ہوں ذات میں جس کی ہزار
بدظن نہ ہو عیب اس میں اگر ہوں دو چار
طاؤس کے پائے زشت پر کر کے نظر
کر حسن و جمال کا نہ اس کے انکار

دینداروں کی برائیاں دین کو عیب لگاتی ہیں

پاتے ہیں زبوں جو حال اہل اسلام
اسلام پہ طعنہ زن ہیں اقوام تمام
بد پرہیزی سے گر شفا ہے بیمار
اور صفت میں ہو گیا مسیحا بدنام

سلاطین کا عشق

ہر چند برا ہے عشق کا سب کے مآل
پر حق میں بد ہے شاہوں کے خصوصاً بدفال

سلطان ہے اگر ظلِ الٰہی تو عشق
ہے ظلِ الٰہی کے لئے وقتِ زوال

دولت میں ثابت قدم رہنا بہت مشکل ہے

ڈر ہے کہ پڑے نہ ہاتھ دل سے دھونا
زردار ذرا سوچ سمجھ کر ہونا

جس طرح کہ سونے کی کسوٹی ہے محک
ہے جوہرِ انسان کی کسوٹی سونا

مرضِ پیری لاعلاج ہے

اب ضعف کے پنجہ سے نکلنا معلوم
پیری کا جوانی سے بدلنا معلوم

کھوئی ہے وہ چیز جس کا پانا ہے محال
آتا ہے وہ وقت جس کا ملنا معلوم

اسراف

مسرف نہ بس اپنے حق میں کانٹے بوئیں
نعمت نہ خدا کی رائگاں یوں کھوئیں
گر بخل پہ لوگ ان کے ہنسیں بہتر ہے
اس سے کہ فضولیوں پہ ان کی روئیں

علم و عمل کا سرمایہ مال و دولت سے بہتر ہے

چھوڑو کہیں جلد مال و دولت کا خیال
مہمان کوئی دن کے ہیں دولت ہو کہ مال
سرمایہ کرو وہ جمع جس کو نہ کبھی
اندیشۂ فوت ہو نہ ہو خوفِ زوال

مخالفت کا جواب خاموشی سے بہتر نہیں

حق بول کے اہلِ شر سے اڑنا نہ کہیں　　بھڑکے گی مدافعت سے آتشِ کیں
گر چاہتے ہو کہ چپ رہیں اہلِ خلاف　　جز ترکِ خلاف کوئی تدبیر نہیں

انسان اپنے عیب اپنے سے چھپاتا

جیسا نظر آتا ہوں نہ ایسا ہوں میں
اور جیسا سمجھتا ہوں نہ ویسا ہوں میں

اپنے سے بھی عیب ہوں چھپاتا اپنے
بس مجھکو ہی معلوم ہے جیسا ہوں میں

ایجوکیشنل پرنٹنگ پریس بنگلور سٹی